tsurdu.blogspot.com

آزادی کی تلاش

مصنف

میاں اکبر شاہ

ترجمہ و ترتیب

سید وقار علی شاہ
(کاکا خیل)

itsurdu.blogspot.com

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت
پوسٹ بکس نمبر ۱۲۳۰ — اسلام آباد

۱۹۸۹ء

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

مترجم و مرتب

سید وقار علی شاہ ۱۰ جنوری ۱۹۶۱ء کو زیارت کاکا
صاحب تحصیل نوشہرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ڈیپارٹمنٹ
آف ہسٹری پشاور یونیورسٹی سے ایم اے (۱۹۸۳) اور
ایم فل (۱۹۸۶) کیا۔ آج کل قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد کے
ہسٹری ڈیپارٹمنٹ کے پی ایچ ڈی کے طالب علم ہیں۔
آپ نے ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک ڈیپارٹمنٹ
آف ہسٹری پشاور یونیورسٹی میں لیکچرار کی حیثیت سے خدمات
انجام دیں۔ اکتوبر ۱۹۸۸ء سے قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و
ثقافت اسلام آباد سے بحیثیت ریسرچ فیلو وابستہ ہیں۔
اس مختصر سے عرصے میں آپ نے سیاسیات صوبہ
سرحد پر کافی کام کیا ہے۔ آپ کے کئی مقالے قومی شہرت
کے حامل کتب و رسائل میں شائع ہو چکے ہیں۔

itsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

سلسلہ خود نوشت سوانح عمری : ۱

Sayed Wiqar Ali Shah
(Ko Ka Khel)

آزادی کی تلاش

itsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

آزادی کی تلاش

مصنف

میاں اکبر شاہ

ترجمہ و ترتیب

سید وقار علی شاہ

(کاکا خیل)

itsurdu.blogspot.com

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت

اسلام آباد

۱۹۸۹ء

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

قیمت: ۱۵۰ روپے

طبع اول: ۱۹۸۹ء

ISBN 969-415-017-5

طابع

اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پریس
اسلام آباد

ناشر

قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت
پوسٹ بکس ۱۲۳۰، اسلام آباد

انتساب

جنگ آزادی کے
گمنام شہیدوں
کے نام

itsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

آزادی کی تلاش

	صفحہ
انتساب	
دیباچہ	۱
تعارف	۳
پیشِ لفظ	۴۵
وطن سے روانگی۔ اسلامیہ کالج پشاور	۴۸
اتمان زئی سے روانگی	۵۰
انگریزی سرحد سے پار ہونا	۵۱
دو مجرموں کا گاؤں	۵۵
مجاہدوں کا وطن	۵۶
کڑاٹی	۵۷
باجوڑ	۵۸
ایک ہم وطن سے ملاقات	۵۸
ناوگئی	۵۹
[illegible]	[illegible]

	صفحہ
سرفراز خان کا پشیمان ہو کر واپس لوٹنا	۶۱
گورنڈ کی وادی	۶۳
جلال آباد	۶۴
سپہ سالار نادر خان سے ملاقات	۶۵
دوسرے مہاجرین	۶۶
جلال آباد تا کابل	۶۹
ہم افغانی رعایا بن گئے	۶۹
مولانا کا خواب	۶۹
خاک جبار	۷۰
کابل	۷۱
قاضی عبدالولی	۷۱
مولانا عبیداللہ سندھی	۷۳
محمد شفیق	۷۴
مولانا عبدالرب	۷۵
افغانستان۔ مولانا عبدالرب سے ملاقات	۷۶

itsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

صفحہ | صفحہ

کابل کا میٹھا پانی اور ٹھنڈی ہوا ۷۷
کوہ دامان ۷۸
جبل السراج ۷۹
امین اللہ خان مہماندار ۸۰
سرور خان کا قلعہ ۸۰
جبل السراج میں مہاجرین کی زندگی ۸۱
مہاجرین کی کمیٹی ۸۲
مہاجرین کی فوجی تربیت ۸۳
سعید خان ۸۴
جبل السراج میں نئے مہاجرین کی آمد ۸۴
افغانستان اور انگریز میں صلح کی خبر کا جبل السراج پر بجلی بن کر گرنا۔ ۸۶
حاجی معراج الدین ہماری رہنمائی کرتے ہیں ۸۸
افغانستان سے باہر نکلنے کی راہداری ۹۳
جبل السراج سے ہماری گرفتاری کے احکامات۔ ۹۶
ہمارا گل بہار سے بچ نکلنا ۹۶
راہ داری دیکھنے کی چوکی ۹۷
درہ پنج شیر ۹۷
میرا اور صادق کا ساتھیوں سے پیچھے رہ جانا ۱۰۱

خوش آمدید مہمان ہمارے ما ۱۰۲
کوہ ہندوکش کو عبور کرنا ۱۰۴
ہمیں گالیں سننا پڑیں ۱۰۵
کرنل کے ساتھ ملاقات ۱۰۶
بانار گئے ۱۰۷
شاہی راستے میں ہم پر ڈاکہ پڑتا ہے ۱۰۷
نارین ۱۰۸
ایک ساتھی کا ہم سے جدا ہونا ۱۱۰
بغلان ۱۱۱
بغلان کے کوتوال کے سامنے پیشی ۱۱۲
ہمیں شتر ماریوں کی چراگاہ جلانے پر سزا ملتی ہے ۱۱۳
پاپیادہ یار ۱۱۷
غیبی امداد ۱۱۸
غورہ۔ شہاب الدین غوری کا پایہ تخت ۱۲۰
ایک ۱۲۰
تاش قرغان اور راہداری کی چوکی ۱۲۱
مہاجرین کے قافلے کی اطلاع ۱۲۲
افغانی ترکستان ۱۲۳
مزار شریف ۱۲۳
مزار شریف میں زیر افغان کے ... گارڈ کے ہاتھوں ہماری گرفتاری۔ ۱۲۴

نیلی آنکھوں والا مسافر ۱۲۵
سرفراز خان اور سکندر شاہ حوالات میں بند کر لئے گئے ۱۲۸
روسی سفارت خانہ ۱۲۹
سخی سرور صاحب کی زیارت ۱۲۹
مزار شریف اور بلخ ۱۲۹
سرفراز آفندی ۱۳۰
سیاہ گرد ۱۳۱

سوویت یونین۔ ترمذ۔ بخارا

ترمذ۔ بالشویک ہمارا شاندار استقبال کرتے ہیں ۱۳۳
ترمذ کا انقلابی کمشنر ۱۳۳
ہمیں فوجی سلامی دی جاتی ہے ۱۳۴
کمشنر کی انقلابی تقریر ۱۳۵
"سبحان اللہ! خلفائے راشدین کا زمانہ ہے!" ۱۳۵
مجھے بھڑنے کاٹا ۱۳۷
تفریح طبع ۱۳۸
ترمذ سے رخصت ۱۳۹
لڑائی کی بو آنے لگی ۱۴۰
کلٹ دکیٹ ۱۴۰
... ۱۴۱

"ان روسیوں کو ساتھ کیوں لائے ہو؟" ۱۴۱
"بائیکو یا اللہ، آؤ مومنو! کافروں کے خلاف جہاد میں حصہ لو۔" ۱۴۳
سرائے نظام بیگ ۱۴۴
تکلیف میں انسان کو خدا یاد آتا ہے ۱۴۵
ہمارا امتحان ۱۴۶
ہمیں سزائے موت سنائی جاتی ہے ۱۴۷
ہمیں پھر غیبی امداد پہنچتی ہے ۱۴۹
ہم بخارا کی طرف چلتے ہیں لیکن پھر جلد ہی قید ہو جاتے ہیں۔ ۱۵۱
ہم پر موت کی سختی آئی ۱۵۳
ترکمانوں کے کیمپ میں تین راتیں پاؤں سے بندھے رہے۔ ۱۵۴
کلان ترکی زمین پر زمینداری کرتے ہیں۔ ۱۵۷
عبدالرحمٰن کا قتل ہونا ۱۵۸
اخون اپنے اصلی رنگ میں آتا ہے ۱۵۹
پھر جنگ کی خبر آتی ہے اور ہم میں زندگی کی نئی رمق آتی ہے۔ ۱۶۰
اخون ہمیں چھوڑتا ہے لیکن ہم اسے نہیں چھوڑتے ۱۶۱
... سرفراز کو مجبور ہو کر پھر اس کے پاس آنا ۱۶۳

itsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

	صفحہ		صفحہ
تین دن بھوکے پیاسے چارے کے		بخارا	١٩٣
کمرے میں بند رہے۔	١٦٤	بخارا کا انقلاب	١٩٣
بھوسے کے کمرے کی قید سے رہائی		بخارا کی تعلیمی حالت	١٩٤
ملتی ہے۔	١٦٦	انقلاب کی نشانی	١٩٥
دریائے آمو کا کنارہ	١٦٨	بخارا میں سفیر افغانستان سے ملاقات	١٩٦
ہم جدیدی فوج کے پاس پہنچ گئے	١٧٠	تاشقند	١٩٦
ہم جدیدی فوج کے ہمراہ کرکی کے لئے		ہندوستانی انقلابی لیڈر	١٩٧
روانہ ہوئے۔	١٧٢	ایم این رائے	١٩٨
کرکی چھاؤنی	١٧٣	مولانا عبدالرب	١٩٩
کرکی کا کمشنر	١٧٣	مولانا فضل حق	٢٠١
ہم ترکمانوں سے لڑتے ہیں	١٧٤	تاشقند میں ہمارے لئے ہوائی جہازوں کا مدرسہ	٢٠٢
لطیف تاتار	١٧٧	ہندی فوجی سکول	٢٠٤
لطیف نے پروپیگنڈہ شروع کر دیا	١٨٠	ہماری روزمرہ کی زندگی	٢٠٥
میں بیمار ہوا	١٨٢	ترکستان کی اقتصادی حالت	٢٠٦
جنگ اور تفریح	١٨٢	ترکستان لینن اکیڈمی	٢٠٧
کرکی سے رخصت	١٨٥	اکبر خان غائب ہو گیا	٢١٠
چار جوئے	١٨٨	جونز کی ایک یہودی لڑکی کے ساتھ محبت	٢١٢
مہاجرین میں جدائی آتی ہے	١٨٩	باکو۔ میر ایشیا کے نوجوانوں کی باکو کانفرنس	
میرے سر میں بے شمار جوئیں پڑ گئیں	١٩١	میں شریک ہونا	٢١٣
دریائے آمو کا کنارہ	١٩٢	چار جوئے سے [illegible] رفیقوں سے	
		دوبارہ ملاقات	[illegible]

	صفحہ		صفحہ
مصطفیٰ کمال پاشا پر بم سے حملہ	٢١٣	وطن واپسی کا ارادہ: وطن کو لوٹنا ہے	٢٤٣
باکو کانفرنس	٢١٦	ژینوی ییف کے ساتھ ملاقات	٢٤٤
باکو شہر	٢١٨	پیٹرگراڈ کو روانگی	٢٤٥
سوویٹ یونین کی ناکہ بندی کا اثر		رات کے وقت پیانو، باجہ اور ناچ	٢٥٣
تاشقند میں ہندوستانی ہوائی مدرسہ بند ہو گیا	٢١٩	اسایان کی تصویر	٢٥٥
ایم این رائے نے نعم البدل پیش کیا	٢٢٠	ماسکو سے روانگی	٢٥٦
تاشقند میں فٹ بال	٢٢١	خارکوف	٢٥٧
تاشقند میں ہماری تفریح	٢٢٢	منزلی وادی	٢٥٨
ترکستان کی آزادی کی سالانہ پریڈ	٢٢٤	گاڑی کے کاریڈار میں سونا	٢٦٠
روس	٢٢٥	طہران میں مقیم روسی سفیر کی بیوی سے ملاقات	٢٦٠
ماسکو	٢٢٨	باکو پہنچا	٢٦١
واستوچنی انسٹیٹیوٹ مشرقی یونیورسٹی	٢٢٨	گولایت (سیر)	٢٦٣
ماسکو کا موسم	٢٣٠	روٹی	٢٦٤
ماسکو میں قومی خدمت کا جذبہ	٢٣١	عورتوں کا پردے کے خلاف احتجاج	٢٦٥
سوویٹ روس میں جسمانی ورزش کی مہم	٢٣٢	باکو سے راستہ ملنا دشوار ہو گیا	٢٦٥
قحط	٢٣٢	باکو سے تفلس	٢٦٧
سوویٹ کی نئی اقتصادی پالیسی	٢٣٣	نمائندگان کی گاڑی	٢٦٧
ماسکو میں ہمارے آخری ایام	٢٣٤	تفلس	٢٦٨
آنا سایان	٢٣٦	اریوان	٢٧٠
[illegible]	٢٣٧	[illegible]	٢٧١

itsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

	صفحہ		صفحہ
انقلابی ریل گاڑی	۲۷۲	ایرانی کرسی کے نیچے رات	۲۹۸
انجن کے ڈرائیور کو رشوت	۲۷۳	قزوین میں آغائے کلان تجار کی گرفتاری	۲۹۸
نقشبند اور جلاوطن ایرانی انقلابی کمیٹی	۲۷۴	تجارتی سفیر ہندوستانیوں کو شیطان کے نام	
واپس باکو	۲۷۵	سے یاد کرتا ہے۔	۲۹۹
شراب کا نشہ اور انقلاب ایران زندہ باد	۲۷۵	قزوین میں افلاس	۳۰۰
پھر تفلس	۲۷۷	طہران	۳۰۰
پھر باکو	۲۷۸	آغا سالار رضا خان اور سیاست ایران	۳۰۲
مجید اور اس کے ساتھی بھی واپس آگئے	۲۷۸	روسی سفیر کی طرف سے آغا سالار کو دعوت	۳۰۳
سلیمان ذکریا	۲۸۰	ایران کی تباہی کے اسباب	۳۰۳
ایران : بندر انزلی	۲۸۱	طہرانی معاشرہ : تحریک نسواں	۳۰۵
جواز	۲۸۴	خواتین کا جلوس اور اقتصادی مطالبات	۳۰۷
گیلان۔ رشت	۲۸۶	شیخ الاسلام کا جواب	۳۱۰
مرزا کوچک خان اور سالار رضا خان	۲۸۷	متاع یا صیغہ	۳۱۱
کوہ البرز کی برف میں ہمارا پڑاؤ	۲۹۰	ایران میں شہری آزادی	۳۱۲
بین الاقوامی اجتماع	۲۹۱	سلطان محمد علی خان	۳۱۳
اپنی اپنی زبان میں گانے	۲۹۲	صوفی صاحب	۳۱۴
ناچ	۲۹۴	ایران کی فوج	۳۱۵
بیگم تباکوف بھی ہمارے پیچھے پہنچ گئیں	۲۹۵	سالانہ فوجی پریڈ	۳۱۶
موٹریں آگے نہیں جا سکتیں	۲۹۷	ایران کی صنعتی ترقی	۳۱۷
گھوڑوں کی سواری	۲۹۷	[illegible]	۳۱۸

	صفحہ		صفحہ
تھیٹر اور سینما	۳۱۸	میری گرفتاری	۳۴۷
قہوہ خانہ	۳۱۹	حوالات سے فرار	۳۵۰
طہران سے روانگی	۳۱۹	خلیج فارس: بوشہر سے وطن	۳۵۶
قم	۳۲۲	جہاز میں سوار ہوتا ہوں	۳۵۸
اصفہان	۳۲۳	ایران کو چھوڑنے کا افسوس ہوا	۳۵۸
امپیریل بنک آف پرشیا۔ اصفہان	۳۲۴	جہاز کے عرشے پر	۳۵۹
شراب خوری	۳۲۵	درجہ دوم کا ٹکٹ	۳۶۰
اصفہان سے روانگی اور لٹیروں سے مقابلہ	۳۲۶	جہاز کا سیکنڈ کلاس	۳۶۰
یزدجرد	۳۲۷	میرے ساتھیوں کی آپس میں جنگ	۳۶۲
طہران سے شیراز تک کی سڑک	۳۲۸	مسقط	۳۶۳
شیراز	۳۲۹	بحیرہ عرب۔ بلوچستان کا ساحل	۳۶۴
شیراز سے بوشہر تک	۳۳۲	اپنا وطن، کراچی کی بندرگاہ میں کیسے بچ	
کازرون	۳۳۶	نکلتا ہوں	۳۶۵
سالار قافلہ کے افریقی [illegible] مہمان بنا	۳۳۷	افغانستان کے ایک ہزارہ نے پہچان لیا	۳۶۶
ساتواں پڑاؤ "از چشانت معلوم		کراچی میں مولوی بننا	۳۶۶
ے شود کہ نجس ہستی"	۳۳۸	کراچی میں افلاس	۳۶۷
برازون	۳۴۱	کراچی سے لاہور	۳۶۸
شیخ محمدی	۳۴۲	لاہور	۳۷۱
بوشہر	۳۴۶	نیڈو ہوٹل	۳۷۱
ایک صاحب پولیس افسر کے گھر پناہ لی	[illegible]	[illegible] گورے کنکھیاں مارتے ہیں	۳۷۲

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

صفحہ		صفحہ	
۳۷۳	سی آئی ڈی کے انسپکٹر خان بہادر عبدالعزیز سے ملاقات	۳۸۳	لاہور سے گاؤں کو روانگی
۳۷۴	حاجی معراج الدین	۳۸۴	میرے گاؤں کا ہندو ہم جماعت مجھے پہچانتا ہے
۳۷۷	لاہور میں بابو سلطان محمد کا انتظار	۳۸۵	زیارت کاکا صاحب میں فخر قوم میاں کے ہاں رات گزارنا
۳۷۸	مسجد وزیر خان	۳۸۶	میرے پہنچنے سے قبل گاؤں خبر پہنچ گئی
۳۷۹	مقبرہ جہانگیر میں آموں کی دعوت		
۳۸۱	پولیس میرے تعاقب میں	۳۸۷	مجھے گرفتار کر لیا گیا
۳۸۲	بابو صاحب سے ملاقات	۳۸۹	حواشی و تعلیقات

دیباچہ

بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آخری سالوں میں ہندوستان سے بے شمار لوگ ہجرت کر کے افغانستان گئے۔ ان میں سے اکثر روس، ترکی اور ایران تک گئے۔ کئی حضرات نے اپنے اپنے سفرنامے لکھے۔ ظفر حسن ایبک کی تین جلدوں پر مشتمل "آپ بیتی" کے علاوہ فیض محمد خان صاحب کی "ہجرت افغانستان" اور عبدالاکبر خان اکبر کا "سفرنامۂ روسی ترکستان" اسی سلسلے میں کافی شہرت رکھتے ہیں۔ لیکن جو معلومات ہمیں "آزادی کی تلاش" میں ملتی ہیں وہ اور کہیں ناپید ہیں۔ بڑی سادگی اور سچائی سے وہ تمام واقعات و حوادث جو میاں اکبر شاہ پر سفر روسی ترکستان و ایران میں گذرے انہوں نے "آزادی کی تلاش" میں تحریر کئے ہیں۔ میاں صاحب کی وطن واپسی پر حکومت نے ان کو گرفتار کیا۔ وہ قید کر لئے گئے۔ قید کے دوران انہوں نے کسی نہ کسی طرح سے پنسل اور کاغذ پیدا کر کے اپنی روداد سفر تفصیل کے ساتھ پشتو میں لکھی۔ ان کی یادداشت بالکل ٹھیک کام کر رہی تھی۔ جگہوں کے نام تک انہیں ٹھیک ٹھاک یاد تھے۔ اس کے علاوہ واقعات کا تسلسل بھی ابھی نہیں ٹوٹا تھا۔ "آزادی کی تلاش" مکمل ہوئی اور موقع ملتے ہی میاں صاحب نے چھپوا بھی دی۔

عرصہ دراز سے میری یہ خواہش تھی کہ میاں صاحب کی "آزادی کی تلاش" کا اردو میں ترجمہ کروں تاکہ پشتو بولنے اور سمجھنے والوں کے علاوہ اور لوگوں کو بھی پتہ چلے کہ پشتونوں کی سرزمین نے کیسے کیسے جاں باز پیدا کئے ہیں۔ ان مجاہدین کے سامنے کوئی لالچ یا ذاتی حرص نہیں تھی۔ ایک نیک مقصد کیلئے ان کی کوششیں جاری تھیں اور یہ ان کی قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ وطن آزاد ہوا۔ لیکن المیہ تو یہ ہے کہ ان مجاہدین آزادی کے ناموں تک سے بھی لوگوں کی اکثریت ناواقف ہے اور ان کی شال

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

اس طرح کی ہو گئی ہے جس طرح ایک عظیم الشان عمارت کی تعمیر کے بعد اس کی بنیادیں چھپ جاتی ہیں۔ مجھے تو یہ ڈر ہے کہ اگر ہماری یہی روش رہی اور ان مجاہدین آزادی کو جن کی بدولت آج ہم آزاد ہیں کو اسی طرح بھلاتے رہیں تو بہت جلد ہماری

داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

ایک اور بات کا ذکر یہاں ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ وقت کے ساتھ ساتھ کچھ مقامات کے نام وغیرہ بھی بدل گئے ہیں۔ ان کے نئے ناموں کو تلاش کرنا بھی دردسر سے کم نہیں تھا۔ اس کے علاوہ حواشی اور تعلیقات بھی میرے ہی دیے ہوئے ہیں۔

سید وقار علی شاہ
(کاکاخیل)
اسلام آباد
۵ مئی ۱۹۸۸ء

تعارف

آزادی بظاہر تو چند الفاظ کا مجموعہ ہے لیکن اپنے اندر ایک پوری دنیا بسائے ہوئے ہے۔ اس لفظ کے سنتے ہی انسان ایک ناقابل بیان خوشی محسوس کرنے لگتا ہے۔ تاہم اس کے اصل معنی سے بہت کم لوگ ہی واقف ہیں۔ نئی نسل کے لوگوں کے لئے تو اس کی اہمیت بہت کم ہے کیونکہ یہ فطرت انسانی ہے کہ جو چیز بغیر محنت و مشقت کے آسانی سے ہاتھ آئے تو اس کی قدر و منزلت انسان کی نظروں میں کم ہو جاتی ہے اور پھر ایک آزاد ملک کے آزاد شہری کی حیثیت سے پیدا ہونے والے کیا جانیں کہ کتنی تکالیف سہہ کر اور کتنی بڑی قربانیاں دے کر ملک آزاد کرایا گیا ہے۔ آزادی کی راہ میں ہزاروں نوجوان بوڑھے اور عورتیں اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ انہوں نے اپنے اوپر ہر قسم کی آرام و آسائش کی زندگی حرام کی تب ہی کہیں جا کر ان کی قوموں کو چین سے رہنا اور سکون سے زندگی بسر کرنا نصیب ہوا۔ انہی لوگوں کی قربانیوں کی بدولت آج ہم ایک آزاد قوم کی حیثیت سے آزاد وطن کی آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں۔

ہندوستان کی تاریخ پر نظر دوڑانے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں انگریزوں نے سو سال سے زیادہ حکومت کی۔ اگر اس سارے عرصے وہ کسی سے ہزیمت خوردہ اور پریشان رہے تو صرف پشتون ہی تھے۔ پشتونوں نے روز اول سے ہی انگریزوں کے ناپاک قدم اپنی پاک سرزمین پر نہ آنے دیے۔ پشتونوں کے علاقے پر سکھوں کی یورشیں ۱۸۱۸ء سے شروع ہوئیں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ پانچ سال بعد مروتوں کا میدانی علاقہ بھی ان کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۸۳۴ء میں پشتونوں کو نوشہرہ کے مقام پر شکست دینے کے بعد ۱۸۳۶ء میں ہری سنگھ نے پشاور کا قلعہ فتح کیا۔ ہربرٹ ایڈورڈز نے لاہور کے خالصہ دربار

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

کے لیے بنوں کا علاقہ فتح کیا۔ اس طرح رنجیت سنگھ پشتون علاقے کا حاکم بن گیا۔ رنجیت سنگھ کے مرنے پر اس کے جانشینوں میں تخت کے لیے لڑائیاں شروع ہوئیں۔ اندرونی کش مکش اور خلفشار نے انگریزوں کو آگے آنے کا موقع فراہم کیا۔ ۱۸۴۶ء اور ۱۸۴۹ء میں اینگلو سکھ جنگیں ہوئیں۔ سکھوں کو شکست ہوئی اور انگریز سکھ ریاست پر قابض ہو گئے۔

یوں تو صوبہ سرحد پر انگریزوں کی عملداری سکھ حکومت کے خاتمے کے دن ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء سے شروع ہوئی لیکن اس سے پہلے بھی بہت سے انگریز سکھوں کے معاون کے طور پر یہاں کے بہت سے علاقوں کو دیکھ چکے تھے۔ ہربرٹ ایڈورڈز، جارج لارنس، ہڈسن، جیمز ایبٹ، جان نکلسن وغیرہ صوبے کے مختلف مقامات پر کام کر چکے تھے۔

انگریزوں کے آنے پر ان پشتون قبائل نے جو پہلے سکھوں کے ساتھ لڑ رہے تھے اب انگریزوں کے خلاف اپنی لڑائیاں جاری رکھیں۔ انگریز دن بدن یہاں اپنی فوجوں کی تعداد بڑھاتے رہے۔ جنگوں کا ایسا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوا جو آج بھی تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ ان کو دیکھ کر تاریخ کا ہر طالب علم آسانی سے یہ کہہ سکتا ہے کہ جتنا پشتونوں نے انگریزوں کو پریشان کیا ہندوستان کیا شاید دنیا بھر کی اقوام میں اور کسی نے انہیں اتنا تنگ کیا ہو۔ ۱۸۴۹ء سے قیام صوبہ سرحد ۱۹۰۱ء تک پشتونوں نے انگریزوں کے خلاف کم و بیش ساٹھ جنگیں لڑیں۔

۱۹ ویں صدی کے اواخر تک ہندوستان میں سیاسی بیداری پیدا ہو چکی تھی۔ دن بدن تغیرات آ رہے تھے۔ اب انگریزوں کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ من مانی کارروائیاں کرنے کے لئے مخصوص حالات کا ڈھونگ رچا کر اپنے ظلم و ستم کی پردہ پوشی کے لئے کچھ اقدامات کریں۔ لارڈ کرزن نے صوبہ علیحدہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ وہی پشتون جو پچاس سال تک پنجاب کے ساتھ برابر کی حیثیت سے انگریز کی عملداری میں زندگی بسر کر رہے تھے اچانک خاص سلوک کے مستحق قرار پائے گئے۔ انہیں ان تمام مراعات سے محروم کرنے کی تجویز ہوئی جن سے وہ قانونی اور آئینی طور سے مستفید ہو رہے تھے۔ سرزمین سرحد کو ہر قسم کی ان اصلاحات سے جو پنجاب کو ملنے والی تھیں محروم کر دیا گیا خواہ وہ تعلیمی اور سیاسی میدان [illegible]

میں انہیں کوئی حصہ نہیں ملا۔ یہی نہیں سرزمین سرحد پر خاص قوانین نافذ کئے گئے جن میں سر فہرست قوانین جرائم سرحد اور غازی ایکٹ (Murderous Outrages Act of 1877) جیسے سفاکانہ قوانین تھے۔ انہوں نے شہنشاہ برطانیہ کے جشن سالگرہ کے موقع پر ۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو صوبہ سرحد کے قیام کا اعلان کیا تاہم صوبے کا باقاعدہ افتتاح ۲ اپریل ۱۹۰۲ء کو ہوا۔ ان سب اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کے دلوں میں انگریزوں سے نفرت دن بدن بڑھنے لگی۔ وہ کوئی ایسا موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے جن میں ان کو تکلیف پہنچا سکتے تھے۔ اس کے مقابلے میں شہرت کے طالب انگریز جب صوبہ سرحد کی زمین پر قدم رکھتے تو وہ شہرت اور دولت حاصل کرنے کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے نہ گنواتے۔ انہیں یہاں کے باشندوں سے کوئی لگاؤ تھا اور نہ ہی کوئی دلچسپی تھی۔ ان کی چاہت تو یہی تھی کہ مملکت برطانیہ بھی وسیع سے وسیع تر ہو جائے اور ان کے ذاتی خزانے بھی بھرتے جائیں۔ انگریزوں نے اپنے ان مفادات کی خاطر باشندگان سرحد کو جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

ہندوستان کے باقی ماندہ صوبوں کی طرح صوبہ سرحد میں بھی سیاسی بیداری آہستہ آہستہ پیدا ہونے لگی۔ صوبہ سرحد کے سیاسی افق پر بیسویں صدی کے آغاز سے دو نام ابھرے جن میں ایک پنڈت امیر چند بموال اور دوسرا پنڈت رام چند کا تھا۔ امیر چند بموال صوابی کا رہنے والا پشاور میں سکونت پذیر تھا۔ سیاسی حیثیت سے اولین گرفتاری پنڈت امیر چند بموال کی ہی تھی۔ انہیں ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء کو شیر آباد میں بمعہ بشیشر ناتھ اور جے گوپال کے گرفتار کیا گیا۔ ان پر الزام عوام کو سودیشی مال خریدنے کی ترغیب دینا تھا۔ انگریزوں کی نظروں میں اس سے بڑا گناہ اور کون سا ہو سکتا تھا کیونکہ ایک طرف تو وہ ہندوستان کی دولت لوٹ کر انگلستان لے جا رہے تھے تو دوسری طرف ہندوستان کو اپنے مال کے لئے بطور منڈی بھی استعمال کرنا چاہتے تھے۔ پنڈت رام چند بھی یار حسین صوابی کا رہنے والا تھا۔ سب سے پہلے اسی شخص نے صوبہ سرحد کو پنجاب سے علیحدہ کرنے پر بطور احتجاج آواز بلند کرتے ہوئے اخبارات میں مضامین لکھے اور یہ مطالبہ کیا کہ صوبہ سرحد کو بھی پنجاب کی طرح مساوی حقوق دیئے جائیں۔ انگریز چونکہ ہندوستان میں اپنے اوپر نکتہ چینی برداشت کرنے کے عادی نہیں تھے اس لئے انہوں نے اس کی زبان بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن قبل اس سے کہ وہ انہیں گرفتار کرتے وہ صوبہ

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

سرحد سے وہی نکل گیا۔ وہاں اپنی قابلیت کی بنا پر سید حیدر رضا کے اخبار "آفتاب" سے منسلک ہوگیا۔ بعد میں جب پنڈت امیر چند پر بھی حکومت وقت کی بجلی گری تو پنڈت رام چند روپوش ہوکر ہندوستان چھوڑ کر امریکہ چلا گیا۔ وہاں غدر پارٹی میں شمولیت کرکے "غدر" کا ایڈیٹر بنا۔ آخر کار ۲۳ اپریل ۱۹۱۸ء کو حکومت کی ایما پر ایک سکھ نے اسے قتل کردیا۔

صوبہ سرحد کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلقات آپس میں خوشگوار تھے۔ ہندو مسلم فسادات قسم کی چیزوں سے سرزمین سرحد بچی ہوئی تھی۔ جہاں ہندو سیاسی طور پر آگے بڑھنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے وہیں مسلمان بھی ان کے شانہ بشانہ خفیہ سرگرمیوں میں بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتے تھے۔ آخر کار ان میں سے کچھ تعلیم یافتہ افراد کے ایک گروہ نے باہم مل کر مسلمانوں کے لئے ایک الگ جماعت کی بنیاد رکھی۔ پشاور کے مشہور انقلابی کارکن علی عباس بخاری میاں عبدالعزیز، قاضی عبدالولی، قاضی میر احمد اور حکیم محمد امین وغیرہ نے باہم مل کر ۱۹۱۲ء میں قاضی میر احمد کے بالاخانے میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی۔ وہی بالاخانہ انہوں نے دفتر کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔ میاں عبدالعزیز کو صدر منتخب کیا گیا۔ جب کہ علی عباس بخاری جنرل سیکرٹری بنے۔ انہوں نے تن دہی سے اپنا کام شروع کیا۔ ان لوگوں کے دلوں میں انگریز دشمنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خاص کر علی عباس بخاری جو یورپ سے تازہ تازہ لوٹے تھے اور جن کو یہاں آکر شدت سے غلامی کا احساس ہو رہا تھا۔ انگریز دشمنی میں اس حد تک بڑھ گئے کہ اسلامیہ کالج پشاور کا بنانا بھی انہیں انگریزوں کی ایک چال نظر آرہی تھی۔ ان کے خیال میں انگریز اپنے لئے وفاداروں کی ٹولی اسلامیہ کالج پشاور کے ذریعے بنانا چاہتی تھی۔ علی عباس بخاری کا رابطہ اپنے انگلستان کے دوستوں کے ساتھ بھی تھا تو دوسری طرف مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام آزاد سے بھی ان کے اچھے مراسم تھے۔ یہاں انہیں جو کچھ ناانصافی نظر آجاتی فوراً خطوط کے ذریعے اس کی اطلاع درج بالا دوستوں کو دے دیتے۔

صدر اور جنرل سیکرٹری دونوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ آگرہ ۱۹۱۳ء میں شرکت کی۔ اور اس کے بعد ۱۹۱۵ء میں بمبئی کے سالانہ اجلاس میں بھی شریک ہوئے۔ انہوں نے منظم طور پر شہر میں حکومت کے خلاف کام کرنا شروع کیا۔ قسمت نے جلد ہی ان کو ایک اور موقع

جنگ بلقان کی صورت میں پیدا کردیا تاکہ وہ زور و شور سے انگریزوں کی مخالفت کرسکیں۔ خلافت عثمانیہ اور یورپی اقوام کی کشمکش تو روزِ اول سے ہی جاری تھی۔ سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانے میں ترکی پر اور گرد کی یورپی افواج نے حملہ کردیا۔ فرانس نے تیونس پر حملہ کردیا۔ اور بہت جلد اپنے قبضے میں لے لیا۔ حکومت برطانیہ نے مصر میں اپنی فوجیں اتار لیں۔ اس پر ترکی میں "نوجوان ترکوں" (Young Turks) نے سالونیکا میں "انجمن اتحاد و ترقی" (Committee of Union and Progress) کے نام سے ایک تنظیم بنائی اور منظم طور پر تحریک چلا کر سلطان عبدالحمید کو اس پر مجبور کیا کہ وہ آئینی حکومت کا اعلان کردے۔ جلد ہی سلطان عبدالحمید کو جلاوطن کرکے ان کے بھائی کو تخت پر بٹھایا گیا۔ ابھی ترکی نے اندرونی کشمکش سے سانس بھی نہیں لی تھی کہ ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے طرابلس میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ ابھی جنگ طرابلس ختم نہ ہو پائی تھی کہ یونان، بلغاریہ، سروبا اور مانٹینگرو نے اکتوبر ۱۹۱۲ء میں ترکی پر مشترکہ حملہ کردیا۔ یہ جنگ بلقان کہلائی گئی۔

ہندوستان بھر میں ان خبروں سے سخت ہیجان پیدا ہوگیا۔ حالات نے جوں ہی خطرناک صورت اختیار کی مسلمانوں کی بے چینی میں اور اضافہ ہوا۔ ترکوں کی امداد کے مختلف طریقوں اور صورتوں پر غور ہونے لگا۔

اس وقت جن تجاویز پر عمل کیا گیا ان میں سے ایک ترکی کو ایک طبی وفد بھیجنے کی بھی تھی۔ طبی وفد کی سربراہی ایک قوم پرست رہنما اور ملک کے نامور طبیب ڈاکٹر مختار احمد انصاری کر رہے تھے۔ ان کے ہمراہ ہندوستان سے جانے والے حضرات کی تعداد ۲۴ تھی۔ گو اراکین کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی تاہم یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ ہر صوبے سے اراکین لے کر اسے ایک کل ہند وفد بنایا جائے۔ وفد میں پانچ ڈاکٹر تھے اور بقیہ انیس میدان جنگ سے زخمیوں کو لانے اور مرہم پٹی میں امداد دینے والے تھے۔ ہندوستان کا طبی وفد دسمبر ۱۹۱۲ء میں ترکی پہنچا۔ ۸ فروری ۱۹۱۳ء کو میدان جنگ کی طرف روانہ ہوا۔ ترکوں نے نہایت گرم جوشی سے وفد کے اراکین کا استقبال کیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ان ایثار و جذبے کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ طبی وفد نے جس دلسوزی اور جانکاہی کے

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

ساتھ زخمیوں کی تیمارداری کی ترکوں کے دلوں پر اس کا بہت اثر ہوا۔ وفد کی خدمات کا اعتراف عام آدمی سے لے کر حکمران تک سب نے کیا۔

اللہ بخش یوسفی نے انہی دنوں کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ کس طرح سرحد کے لوگوں کے دلوں میں اپنے بھائیوں کے لئے قدر و محبت پائی جاتی تھی۔ قوم پرست رہنما مسجد مہابت خان، مسجد قاسم علی خان اور اسلامیہ کلب ہال میں جلسے کرتے۔ ایک دفعہ اسلامیہ کلب ہال میں ایک جلسے کے دوران ایک عورت نے چندہ میں اپنے گھر کے بچے کو نذر کر دیا۔ علی عباس بخاری نے اس عورت کی قربانی سے خوب فائدہ اٹھایا۔ اس بچے کو نیلام کر دیا گیا۔ کافی رقم جمع ہو گئی۔ جس شخص نے بچے کو خریدا تھا اس نے نہ صرف وہ بچہ اس کی ماں کو واپس کیا بلکہ اسے اپنا بچہ تصور کرتے ہوئے اس کی پرورش کے لئے ماہوار وظیفہ بھی مقرر کر دیا۔

۱۹۱۳ء میں انجمن خدام کعبہ کی بنیاد پڑی۔ عازمین حج کو لے جانے والی کمپنی جو ٹکٹ کرائے وصول کرتی تھی۔ مولانا عبدالباری فرنگی محل لکھنؤ والے اور مولانا شوکت علی نے ان کے مقابلے میں انجمن خدام کعبہ کی بنیاد رکھی۔ ان کے اغراض و مقاصد میں عازمین حج کو ہر قسم کی سہولیات فراہم کرنا تھا۔ رکنیت کے لئے ایک روپیہ سالانہ چندہ دیا جاتا۔ اس تحریک نے صوبہ سرحد میں بھی اچھی خاصی شہرت حاصل کر لی۔ بڑی تعداد میں لوگ اس کے رکن بنے۔ تحریک تو جلد ہی ختم ہو گئی لیکن اتنا کر گئی کہ عازمین حج کو جہاز ران کمپنیوں والے اب سہولتیں سستے داموں فراہم کرنے لگے۔ اسی اثنا میں جنگ عظیم اول کے بادل چھانے لگے۔ صوبہ سرحد میں حکومت کا عتاب انجمن خدام کعبہ کے خزانچی حکیم محمد امین پر گرا۔ حکومت ان سے انجمن کے اراکین کی تعداد، جمع شدہ رقم اور اسی قسم کی دوسری معلومات چاہتی تھی۔

جنگ عظیم اول میں ترکی جرمنوں کا حلیف بنا۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے صورت حال نہایت تکلیف دہ ہو گئی۔ ایک طرف ان کے ہم مذہب بھائی تھے تو دوسری طرف ان پر حکومت کرنے والے انگریز۔ حکومت برطانیہ بھی صورت حال کی نزاکت کو جانتے ہوئے ہر حال میں ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں

کو یقین دلایا کہ ... جنگ کے شروع ہوتے ہی انہوں نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ ... کی حرمت اور احترام ... کے خلاف کوئی کارروائی انتقامی طور پر نہیں کی جائے گی۔ نتیجہ چاہے کچھ بھی نکلے حکومت ترکیہ کے خلاف کوئی کارروائی انتقامی طور پر نہیں کی جائے گی۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے مقدس مقامات کی حرمت و تقدس میں بھی کوئی فرق نہیں آنے دیا جائے گا۔ انگریزوں کو اس وقت ڈر اور صوبہ سرحد کے قبائل کا تھا جن کی نظریں امیر افغانستان امیر حبیب اللہ خان کی طرف لگی ہوئی تھیں لیکن انگریزوں نے اپنی عیارانہ فطرت سے امیر حبیب اللہ خان کو ایسا شیشے میں اتار رکھا تھا کہ وہ کسی قیمت پر بھی انگریزوں کے خلاف کھڑا ہونے پر آمادہ نہیں تھا۔ حتیٰ کہ جرمن ترک مشن جس کے پس منظر میں انور پاشا کا ذہن کام کر رہا تھا اور جس کے خیال میں قسطنطنیہ سے شروع ہونے والا جہاد ایران عبور کر کے افغانستان پہنچ جائے گا۔ اور وہاں سے امیر افغانستان اپنی افواج سے برطانوی ہند پر بھرپور حملہ کرے گا بھی ناکام ہوا۔ انور پاشا نے اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دنیا بھر سے ہندوستانی انقلابیوں کو برلن میں جمع کیا۔ سر ویل کو کیلیفورنیا سے بلایا اور مولانا برکت اللہ بھوپالی کو جاپان سے بلایا۔ مشن نائیڈر میئر کی کمان میں تھا۔ وفد میں ترکوں، ہندوستانی انقلابیوں کے علاوہ کچھ ایرانی بھی شامل تھے۔ کل اراکین کی تعداد اسی تھی۔ اگست ۱۹۱۵ء میں مشن کابل کے لئے روانہ ہوا۔ ۲۴ اگست ۱۹۱۵ء کو مشن ہرات کے راستے افغانستان میں داخل ہوا۔ ان کے افغانستان آنے سے انگریزوں کو فکر لاحق ہوئی لیکن امیر حبیب اللہ خان نے انہیں تسلی دی کہ مشن کے آنے سے افغانستان اور انگریزوں کے تعلقات پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ امیر کے سوائے عام افغانوں نے مشن کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ سب سے زیادہ سرگرمی شہزادہ امان اللہ خان نے دکھائی اگرچہ امیر حبیب اللہ خان برطانیہ سے دوستی ختم کرنے کا خیال تک بھی دل میں نہیں لا سکتا تھا تاہم کافی ٹال مٹول کے بعد پغمان کے شاہی دربار میں آکر اس نے مشن کے اراکین کو شرف باریابی بخشا۔ ایک معاہدہ طے پا گیا جس کی رو سے امیر افغانستان نے دس ملین پاؤنڈ سٹرلنگ کا مطالبہ کیا تھا۔ اس کے علاوہ بہت بڑی تعداد میں اسلحہ بھی مانگا تھا۔ مشن کے سربراہ پر واضح کر دیا گیا تھا کہ ۲۰ ہزار سے ایک لاکھ ترکی افواج کے افغانستان آنے پر ہی امیر جنگ کا اعلان کریں گے۔ اس معاہدے پر ۲۴ جنوری ۱۹۱۶ء کو دستخط ہوئے۔ نائیڈر ... کابل میں ہی رہ گئے۔ حکومت

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

ترکی کے دو نمائندے خیری بیگ اور احمد آفندی علاقہ تیراہ آئے اور یہاں کے لوگوں کو انگریزوں کے مقابلے میں کھڑے ہونے پر اکسایا۔ لیکن حکومت کے حلیف قبائل نے ترک مشن کے اراکین کو علاقہ خالی کرنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے راجگال نامی جگہ میں پناہ لی۔ وہاں بھی ان کو نہ بیٹھنے دیا گیا اور وہ علاقہ چھوڑ کر ننگرہار گئے۔ تاہم کچھ ان کی موجودگی اور کچھ پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر بہت سے سرحدی سپاہیوں نے ترکوں کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا۔ بہت سوں کا کورٹ مارشل کر دیا گیا اور کئی کو گولیوں سے اڑا دیا گیا۔ انگریزوں نے اپنی سعی بہترین کوشش کی کہ بہت سے نام نہاد علماء سے ایسے فتوے لئے جائیں جن میں یہ کہا گیا ہو کہ انگریزوں کی امداد کرنا ضروری ہے۔ اس میں انگریز کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ علاوہ ازیں انہی دنوں انگریزوں نے پشاور سے اردو اور انگریزی میں دو اخبار "ڈیلی نیوز" کے نام سے جاری کیے۔ ان اخبارات میں جنگ کی اور خصوصاً انگریزوں کی فتوحات کی خبریں ہوتیں۔ اخبار عام طور پر مفت تقسیم ہوتے۔ اور مدارس میں معلمین کی ڈیوٹی لگا دی گئی کہ وہ طلباء کو خبریں پڑھ کر سنایا کریں۔ صوبہ سرحد میں بھی گرفتاریاں ہوئیں۔ پنڈت امیر چند بمبوال، بخشی لال چند اور کشور رام وغیرہ کو گرفتار کیا گیا۔ حکومت حتی الوسع مسلمانوں پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

جنگ عظیم کے اختتام تک اتحادی افواج جرمنوں پر حاوی آگئیں۔ آہستہ آہستہ انگریزوں نے بھی نظریں پھیرنی شروع کیں۔ وہ وعدے وعید جو انہوں نے مسلمانوں سے بالخصوص اور ہندوستان کے عوام سے بالعموم کئے تھے۔ بھلانے لگے۔ جنگ عظیم میں انگریزوں کی مدد کرنے کے نتیجے میں ہندوستان کو یہ صلہ ملا کہ ملک سے سیاسی بے چینی ختم کرنے کے بہانے سیاسی کارکنوں کو دبانے کے لئے جسٹس رولٹ نامی ایک انگریز کی قیادت میں ایک کمیشن قائم کیا۔ جس نے سیاسی تحریکوں کو کچلنے کے لئے اپنی سفارشات مرتب کیں جن کو رولٹ بلوں کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور جن کی ہندوستان بھر میں مخالفت ہوئی۔ وہی حکومت جو کل تک ہندوستانیوں کے سامنے امداد و اعانت کے لئے دست سوال پھیلا رہی تھی۔ اب زبان توپ و تفنگ سے باتیں کرنے لگی۔ قومی رہنماؤں نے لوگوں کو احتجاج کے لئے تیار کیا۔ ملک بھر میں ہڑتالیں ہوئیں اور سوگ کے دن منائے گئے۔ پنجاب میں حالات کی خرابی کو دیکھتے ہوئے مارشل لاء لگا دیا گیا۔

۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر کے جلیانوالہ باغ میں نہتے ہجوم پر ایک انگریز جنرل اوڈائر نے گولی چلادی۔ ایک ہزار چھ سو پچاس فائر کئے گئے جس سے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق تین سو اناسی جانیں لیں لیکن اصل تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔

صوبہ سرحد میں پہلی سیاسی لہر اسی رولٹ ایکٹ نے پیدا کی۔ صوبے کے طول و عرض میں یہ تحریک پھیل گئی۔ پشاور میں بھی زبردست ہڑتال ہوئی۔ سارے شہر کا کاروبار بالکل بند تھا اور لوگ بلوں کے خلاف جلوس نکالتے رہے اور جلسے کرتے رہے۔ صوبہ سرحد کی غالباً یہ پہلی ہڑتال تھی جو سیاسی مقاصد کے پیش نظر کی گئی۔ اس وقت کے چوٹی کے رہنماؤں میں سے قاضی عبدالولی، حکیم عبدالجلیل، حکیم محمد اسلم سنجری، سردار ملاپ سنگھ، علی بخش، آیا رام، ناظر سی گھوش، پنڈت امیر چند بمبوال اور سید عبداللہ شاہ وغیرہ شامل تھے۔ ان قابل ذکر رہنماؤں نے لوگوں پر واضح کیا کہ اگر یہ بل ہم پر ٹھونسا گیا تو ہم بالکل اپاہج ہو کر رہ جائیں گے۔ ہڑتال کامیاب رہی۔ اگلے دن فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ بارہ بجے شہر کے تمام دروازے بند کر کے چیف کمشنر سر جارج روس کیپل۔ ڈپٹی کمشنر کین اور سپرنٹنڈنٹ پولیس مشکاف کی طرف سے شہریوں کو ان تمام رہنماؤں کو حوالے کرنے کا نوٹس دیا گیا۔ گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ قاضی عبدالولی، آیا رام، حکیم محمد اسلم سنجری بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ باقی سب رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد عام کارکنوں کی گرفتاریاں شروع ہوئیں۔ ان کو مختلف سزائیں سنائی گئیں جو چھ ماہ سے دو سال تک کی تھیں۔ شہروں کی خبریں جب دیہات پہنچیں تو وہاں بھی ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ اپریل کی دس تاریخ کو اتمان زئی میں خان عبدالغفار (جو عقیدت کی بناء پر باچا خان کہلائے جاتے ہیں) نے ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا۔ جلسے میں حاضرین کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ خوانین میں یہ پہلا شخص تھا جس نے حکومت کے خلاف ایسا دلیرانہ قدم اٹھایا تھا۔

ابھی رولٹ ایکٹ کے ہنگامے ختم بھی نہ ہو پائے تھے کہ انگریزوں اور افغانستان کے درمیان سوئم جنگ افغانستان چھڑ گئی جس کو جنگ استقلال بھی کہا جاتا ہے۔

امیر عبدالرحمان (جو کہ ۱۹ ویں صدی کے آخری عشرے میں افغانستان کا حکمران تھا) کے زمانے سے [illegible] میں مشہور زمانہ ڈیورنڈ لائن کا معاہدہ کیا گیا۔

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

جس کی رو سے افغانستان کا کوئی علاقہ انگریزوں کی عملداری میں شامل ہو گیا۔ امیر عبدالرحمان خان کا بیٹا امیر حبیب اللہ خان بھی انگریزوں کا حلیف اور حاشیہ بردار تھا۔ والی افغانستان امیر حبیب اللہ خان کو اس کے دورہ ہندوستان کے دوران اتنا مرعوب کیا گیا کہ پہلی جنگ عظیم کے دوران جبکہ ہندوستان میں برطانوی افواج بہت ہی کم رہ گئی تھیں اسے حملہ کرنے کی ہمت نہیں پڑی۔ خود حملہ کرنا تو ایک طرف وہ تو انگریزوں کے دشمنوں کو افغانستان کی راہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے بھی نہیں دے رہا تھا۔ اس کو ۱۹۱۹ء میں جلال آباد کے قریب قلعہ گوش میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے مرنے پر اس کا بیٹا امیر امان اللہ خان افغانستان کا بادشاہ بنا۔ امان اللہ خان شروع سے ہی برطانوی استعمار کا مخالف تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی انگریزوں کے خلاف اپریل ۱۹۱۹ء میں کابل میں منعقدہ دربار میں اعلان جہاد کیا۔ لوگوں کی اکثریت تو پہلے ہی انگریزوں کے خلاف تھی اب ان کو نئے اولوالعزم امیر امان اللہ کی صورت میں ایک رہنما مل گیا سب انگریزوں کے خلاف لڑنے پر راضی ہو گئے۔ ۳ مئی ۱۹۱۹ء کو جنگ شروع ہوئی۔ افغانستان کی طرف سے باقاعدہ طور پر ۹ مئی کو اعلان جنگ کیا گیا بہت جلد جنگ کا فیصلہ ہو گیا۔ ٹل کے محاذ پر افغان جرنیل نادر خان نے پیش قدمی کی جب کہ جلال آباد میں افغان فوج کو نقصان پہنچایا گیا۔ ۳ جون ۱۹۱۹ء کو فریقین جنگ بندی پر راضی ہو گئے۔ دونوں مملکتوں نے اپنے اپنے فاتح ہونے کا اعلان کیا۔ افغانستان کی طرف سے آزاد افغانستان کا ایک وفد امان اللہ خان کے برادر نسبتی علی احمد جان کی قیادت میں ہندوستان بھیجا گیا۔ ۲۴ جولائی ۱۹۱۹ء کو وفد ہندوستانی سرحد میں داخل ہوا۔ پشاور سے وفد کے اراکین کو راولپنڈی پہنچایا گیا جہاں برطانوی وفد کے ساتھ جو کہ سر ہملٹن گرانٹ کی زیر قیادت تھا کے ساتھ افغان وفد کی بات چیت شروع ہوئی۔ ۲۶ جولائی ۱۹۱۹ء سے شروع ہونے والی گفتگو ۸ اگست ۱۹۱۹ء تک جاری رہی۔ ۸ اگست کو سر ہملٹن گرانٹ اور علی احمد جان نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کی رو سے ڈیورنڈ لائن اینگلو افغان سرحد تسلیم کی گئی۔ افغانستان سرکاری حیثیت میں اپنے اندرونی اور بیرونی معاملات میں آزاد ہو گیا۔

ابھی جنگ استقلال ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ایک اور مسئلہ درپیش ہوا۔ جنگ عظیم شروع ہونے سے پہلے برطانوی حکومت اور ان کے حلیفوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ [illegible]

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

کی حکومت بحال رکھیں گے اور خلافت عثمانیہ کے خلاف انتقامی کاروائی نہیں کریں گے۔ لیکن جنگ کے خاتمے پر انہوں نے معاہدہ سیورے کے تحت خلافت عثمانیہ کے حصے بخرے شروع کئے۔ ہندوستان بھر کے مسلمان تڑپ اٹھے۔ ان کا ساتھ اہل ہنود نے بھی بھرپور دیا۔ سارے ملک میں خلافت کانفرنس ہوئیں اور مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں ایک وفد انگلستان بھی گیا لیکن نتیجہ صفر ہی رہا۔ انگریز چونکہ فتح کے نشے میں چور تھے۔ اپنی رعایا کی بات کہاں سننے والے تھے۔ مسلمانوں کے لیے جب مخالف طاقت کے خلاف جارحانہ اقدامات کی طاقت نہ رہی تو لکھنؤ سے ایک آواز اٹھی کہ اس ملک سے اب ہجرت کر لینی چاہیئے۔ ہندوستان بھر کے مسلمانوں نے اس آواز کے ساتھ اپنی آواز ملائی۔ مذہب کے نام پر ہجرت شروع ہوئی سب سے زیادہ اس کا اثر باشندگان سرحد نے لیا۔ گو اس علاقے میں کسی منظم جماعت یا علمائے کرام نے یہ فتویٰ نہیں دیا تھا پھر بھی ہندوستانی علماء کی عزت و وقعت کے پیش نظر اس حکم کو حکم شریعت اسلامیہ تسلیم کر لیا گیا۔ ساتھ ہی یہ مسئلہ پیدا ہوا کہ مسلمان جائیں تو کہاں جائیں۔ جلد ہی ان کی یہ مشکل حل ہو گئی۔ برادر پڑوسی مسلمان ملک کے امیر امان اللہ خان نے یہ اعلان کیا جس میں انہوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ پر افسوس کا اظہار کیا۔ ساتھ ہی کہا کہ اگر ہندوستان کے مسلمان ادہر افغانستان آنا چاہیں تو افغانستان کی حکومت نہ صرف ان کو پناہ دے گی بلکہ ان کی ہر ممکن امداد بھی کرے گی اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ قافلے کے قافلے افغانستان جانے کے لیے پشاور میں جمع ہونا شروع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول کی خوشی کی خاطر والدین سے ان کی اولادیں بچھڑ گئیں۔ خاوندوں سے بیویاں اور بیویوں سے ان کے خاوند بچھڑ گئے۔ ایسے نوجوان بھی تھے جو اپنی منگیتروں کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے انہوں نے سڑکوں پر ہی نکاح پڑھے۔ تحفظ اسلام کے لئے یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔ گھر بار لٹ گئے، فصلیں برباد ہوئیں۔ عزیزوں اور رشتہ داروں سے اس امید پر لوگ جدا ہو رہے تھے کہ وہ بھی بہت جلد ان سے مل لیں گے۔ ہندوستان دارالحرب قرار دے دیا گیا تھا اور مسلمان دارالاسلام کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ ابتدا میں چھوٹے چھوٹے قافلے تھے بعد میں ان کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔ افغانستان جانے کا چونکہ راستہ پشاور سے ہو کر جاتا تھا اس لئے مہاجرین کا سارا زور پشاور پر ہی تھا۔ پشاور کے لوگوں نے ایک

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

... قاضی جان محمد، علی قلی خان، حکیم قطب عالم اور بقیہ تمام مسلم اور [illegible]
قومی کارکن شامل تھے۔ اس موقعہ پر پشاور کے لوگوں کی قربانی قابلِ ذکر ہے [illegible] ان کی مہمان نوازی تو
ویسے بھی مشہور ہے اور اب جب کہ سب لوگ مذہب کے نام پر مال اسباب چھوڑ کر بے سروسامان
جا رہے تھے۔ تو لوگ کیوں نہ ان کی استطاعت سے بڑھ کر امداد کرتے۔ مالداروں نے پیسے دیے جب
ہجرت کمیٹی کے رضاکاروں نے ارد گرد کے دیہاتوں کے دورے کئے اور وہاں سے مہاجرین کے لیے
اشیائے خوردنی اور مویشی لائے۔ قربانی کا جذبہ یہاں تک تھا کہ "تانگے بان بھی سواریوں کو ریلوے
سٹیشن سے مسافروں کو ان کے جائے قیام تک مفت پہنچاتے رہے۔"

شروع شروع میں حکام نے ہجرت پر جانے والوں کو روکنے کی کوشش کی۔ لیکن بعد
میں لوگوں کے جذبات جانچتے ہوئے انہوں نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔ اس طرح انہوں نے ایک
تیر سے دو شکار کئے۔ ایک تو مملکت افغانستان کی معیشت پر بے اندازہ بوجھ ڈالا گیا
اور دوسرا تمام سرگرم کارکنوں سے ان کی جان چھوٹ گئی۔ قافلے کے قافلے افغانستان کی سمت رواں دواں
تھے اور اونچی اور پُرجوش آوازوں سے یہ شعر گاتے تھے:

برباد ہوں پرواہ نہیں
ناشاد ہوں پرواہ نہیں
اے دوستو جو کچھ بھی ہو کابل چلو کابل چلو

اور

برادرانِ ہنود! تم کو رہے مبارک وطن کی راحت
غریب مسلم، شکستہ خاطر وطن کی الفت نثار رہے ہیں
امیر صاحب بلا رہے ہیں! امیر صاحب بلا رہے ہیں۔

پشاور سے لے کر افغانستان کی سرحد تک خوراک اور پانی کا جابجا انتظام کیا گیا ہے۔
مہاجرین کو تو یہ یقین تھا کہ جس طرح پشاور میں ان کی آؤ بھگت ہوئی ہے۔
افغانستان میں بھی ہوگی۔ ابتداء میں کابل میں مہاجرین کی خوب خاطر تواضع کی گئی۔ تعداد بڑھنے
کے ساتھ ساتھ بدانتظامی بھی پیدا ہونے لگی۔ ان کے ہمراہ حکومت برطانیہ کے چند زرخرید غلام اور
جاسوس بھی ہندوستان سے گئے تھے۔ انہوں نے وہاں جا کر اپنا کام شروع کیا۔ مہاجرین کو انہوں
نے حکومت افغانستان کے خلاف اکسانا شروع کیا۔ مہاجرین کی ایک بڑی تعداد کو جبل السراج بھیجا
گیا۔ انہوں نے اسلحہ اور بارود طلب کیا۔ نیز حکومت افغانستان سے انگریز کے خلاف جنگ میں مدد دینے
کا مطالبہ کیا۔ افغانستان کچھ عرصہ قبل ہی انگریز کے ساتھ ایک جنگ لڑ چکا تھا اور اتنی جلدی دوسری
جنگ کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ امیر امان اللہ خان نے اپنے وعدے کے مطابق مہاجرین کو افغانی ترکستان
میں قابل کاشت زمینیں دیں۔ لیکن مہاجرین میں تو بددلی پھیلنا شروع ہو چکی تھی۔ وہ کئی گروہوں میں
بٹ گئے۔ کچھ تو وہیں افغانستان میں رہ گئے۔ کچھ لوگ روس اور ترکی گئے۔ جبکہ اکثریت نے ہندوستان
لوٹنے کا ارادہ کیا۔ واپسی کا سفر بہت المناک تھا۔ لوگ بے سروسامانی کی حالت
میں ادھر اُدھر بھٹک رہے تھے۔ آج بھی کابل اور پشاور کے درمیان بہت سی قبریں ان تکالیف کی
شاہد ہیں جو مہاجرین پر واپسی کے سفر کے دوران گزری ہیں۔ واپس آنے پر ان کے ساتھ اور بُرا برتاؤ کیا گیا
ان پر آوازے کسے گئے۔ ان کو بزدل اور کم ہمت جانا گیا۔ قلاش تو وہ پہلے ہی ہو چکے تھے اب حکومت
کی نظروں میں بھی بدنام ہو گئے۔ مگر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کی کوششوں سے سرکاری ملازمین کو دوبارہ
ملازمتوں پر بحال کیا گیا۔ اکثریت کی جائدادیں بھی ان کو واپس لوٹا دی گئیں۔ یوں ہجرت ختم ہوئی لیکن اپنے
پیچھے قربانیوں اور کٹھن وقت میں مشکلات کا سامنا کرنے کی داستانیں چھوڑ گئی۔ لیکن اس ساری تحریک
کے دوران بڑی عجیب بات دیکھنے میں یہ آئی کہ جن علمائے کرام نے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں
میں بیٹھ کر ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا۔ ان میں سے کسی کو اس دارالحرب سے دارالسلام جانے
کی توفیق نہیں ہوئی۔ اگر قربانیوں کی ایک نہ مٹنے والی داستان چھوڑی بھی تو وہ باشندگانِ سرحد
نے جن کے دلوں میں عظمت اسلام پر مکمل یقین پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔

ہجرت کا خاتمہ یوں تو بے حساب تباہی و بربادی کی صورت میں ہوا لیکن ہر قربانی کے بعد

itsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

اس کا پھل بھی ملتا ہے۔ لوگوں میں سیاسی شعور پیدا ہو گیا۔ اب ان کے لئے صوبے اور قوم کے لئے قربانی دینا کوئی بڑی بات نہ رہی۔ ہجرت پر جانے والے بہت سے قومی رہنماؤں میں باچا خان بھی تھے۔ باچا خان ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ تحصیل چارسدہ کے ایک گاؤں اتمان زئی میں بہرام خان کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد والد نے بیٹے کو فوج میں بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن بیٹے کے مزاج کو وہ نوکری نہیں بھائی اور نوکری کو خیرباد کہا۔ پھر دیوبند چلے گئے اور قابل قدر و ذی عزت علمائے کرام کے ساتھ وقت گزارا۔ وطن واپس آکر انقلابی رہنماؤں کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ جن میں سرفہرست حاجی فضل واحد ترنگ زئی تھے۔ حاجی صاحب مولوی نجم الدین اخوندزادہ المعروف ہڈے ملا صاحب کے مرید تھے اور ساری زندگی انگریز دشمنی میں بسر کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھے۔ باچا خان پہلی بار رولٹ ایکٹ کے ہنگامے میں منظر عام پر آئے۔ آپ نے اتمان زئی ہی میں ایک جلسے کا اہتمام کیا جس میں شامل ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی۔ اس کے بعد ہجرت افغانستان کے دوران ایک قافلے کی رہنمائی کرتے ہوئے کابل گئے۔ وہاں امیر امان اللہ خان کے ساتھ بھی ملاقات ہوئی۔ امان اللہ پشتون ہونے کے باوجود پشتو زبان کو نظر انداز کر رہا تھا۔ اس پر باچا خان نے ان کو کہا کہ پشتونوں کے وطن میں پشتو کا یہ حشر دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ بادشاہ نے پشتو کو ترقی دینے کا وعدہ کیا۔ ہجرت سے واپسی پر باچا خان اصلاحی کاموں میں جت گئے۔

باچا خان نے اپنے چند رفقاء کے ساتھ مل کر پشتونوں کے درمیان آپس کے جھگڑوں کو ختم کرانے کے لئے ایک اصلاحی تنظیم انجمن الاصلاح الافاغنہ کی بنیاد رکھی۔ ساتھ ہی انہوں نے اپنی قوم کو غلامی سے نفرت کا درس بھی دیا۔ حاجی صاحب ترنگ زئی کے ہمراہ آپ نے پشتونوں کی علمی پسماندگی کو دیکھتے ہوئے آزاد سکولوں کی بنیاد رکھی۔ آپ کے ساتھ اس کارِ نیک میں مدد دینے والوں میں سے قاضی عطاء اللہ، میاں عبداللہ شاہ، میاں احمد شاہ، عبدالاکبر خان اکبر، محمد اکبر خادم، محمد عباس خان، تاج محمد خان، حاجی عبدالغفار وغیرہ بھی شامل تھے۔ بڑی محنت اور لگن سے آزاد سکول شروع کئے گئے۔ اس سلسلے میں اور قوم کے کارکنوں کی قربانیاں بھی قابل ذکر ہیں۔ جن کے امیر محمد خان نے اپنے دونوں امیر نواز اور مقصود جان اس مقصد کے لئے وقف کر دیئے۔ مقصود جان آزاد ہائی سکول اتمان زئی کا پہلا ہیڈ ماسٹر تھا۔ قوم سے غلط رسموں کو مٹانے کے لئے اور ان میں تعلیم کا شوق پیدا کرنے کے لئے باچا خان اور ان کے رفیقوں نے صوبے بھر میں دیہاتوں کے دورے کئے۔ انہوں نے لوگوں سے تفصیلی گفتگو کی اور ان میں زندہ رہنے کی آرزو بیدار کرنے کی حتی الوسع کوششیں کیں۔ انگریز یہ کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ پہلے تو دھمکیوں سے کام چلانے کی کوشش کی لیکن جب ان سے کام نہ بنا تو پھر دولت آزمانی چاہی۔ آزاد سکولوں کے اساتذہ کو زیادہ پیسوں کا لالچ دیا۔ لیکن ان لوگوں کا تو بے لوث جذبہ تھا اس لئے دنیا کی کوئی طاقت ان کو خرید نہیں سکتی تھی۔ جب اس سے کام نہ بنا تو باچا خان قید کئے گئے اور آزاد مدرسے خلاف قانون قرار دیئے گئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اب صوبے کے لوگوں میں بھی سیاسی شعور پیدا ہو رہا تھا۔ جب اپنے صوبے میں انہیں اخبار نہیں ملے تو انہوں نے پنجاب اور ہندوستان کے دوسرے صوبوں سے خفیہ طور پر اخبارات و رسائل منگوانے شروع کئے۔ گروپوں کی شکل میں بیٹھ کر اخبارات پڑھے اور سنائے جاتے۔ لوگوں میں سیاسی بیداری بڑھنی شروع ہوئی۔ باچا خان پشتون قوم کی ترقی و سربلندی کے لئے ایک خالص اسلامی تحریک چلانا چاہتے تھے۔ کیونکہ آپ دیکھ رہے تھے کہ پشتون زندگی کے ہر شعبہ میں باقیماندہ ہندوستان سے بہت پسماندہ تھے۔ تعلیمی ترقی پر زور دینے کا یہی مقصد تھا کہ جب تک علم کی روشنی نہیں پھیلے گی آپس کے یہ جھگڑے جاری رہیں گے۔

نوجوانوں کی ایک منظم جماعت افغان یوتھ لیگ کے نام سے بنائی گئی اور اس کے لئے باقاعدہ رضاکار بھرتی کئے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ پھر یہ فیصلہ ہوا کہ ان رضاکاروں کی تنظیم کا کوئی علیحدہ نام بھی ہونا چاہیئے چنانچہ نہایت سوچ بچار کے بعد اس تنظیم کا نام خدائی خدمت گار رکھا گیا۔

خدائی خدمت گار تنظیم کے قیام کے ساتھ ہی اعلان کیا گیا کہ پریڈ لازمی ہوگی۔ کھدر کے کپڑے بطور یونیفارم استعمال کئے جائیں گے۔ اور یہی وہ کھدر کا کپڑا تھا جس نے خدائی خدمت گاروں کو انگریزوں کی نظر میں سرخ پوش بنا دیا اور جس کے ڈانڈے انہوں نے روس کے بالشویکوں کے ساتھ ملائے۔ باچا خان اعلان کے ساتھ ہی صوبے بھر کے دورے کئے اور لوگوں کو اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔

tsurdu.blogspot.com

تھوڑے ہی دنوں میں رضاکاروں کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔ سماجی بہبود اور قوم کو خواب غفلت سے جگانا اخلاقی خدمت گاروں کا اولین مقصد تھا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے لوگوں کو آزادی کی قدر اور اہمیت سمجھانے کی بھی کوشش کی۔ اس میں بڑی حد تک وہ کامیاب ہوئے۔ نوجوان بطور خاص بڑی تعداد میں تحریک میں شامل ہونے لگے۔ پہلے تو یہ تحریک ایک خاص علاقے اور صرف مسلمانوں کے لئے محدود تھی لیکن جلد ہی رنگ و نسل و مذہب کا امتیاز کئے بغیر تمام مذاہب کے پیروکار اس میں شامل ہونے لگے۔ انگریز اس تحریک کو کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ پہلے تو انہوں نے آزاد سکولوں کے اساتذہ کو روپے کا لالچ دیا۔ جب وہ نہ بکے تو ان کو ڈرانا دھمکانا شروع کیا۔ باچا خان گرفتار کئے گئے۔ لیکن لوگ خواب غفلت سے بیدار ہونا شروع ہو گئے تھے۔

ادھر نیچے ہندوستان میں بھی آزادی کی تحریک نے ایک نیا رخ لیا۔ پہلے تو آل انڈیا نیشنل کانگرس نوآبادیاتی طرز حکومت کی نمائندہ تھی لیکن قوم کے جذبات کو بھانپتے ہوئے ۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کی رات ساڑھے بارہ بجے دریائے راوی کے کنارے لاہور شہر میں منعقدہ اجلاس آل انڈیا نیشنل کانگرس میں جواہر لعل نہرو نے مکمل آزادی کا جھنڈا بلند کر دیا۔ انہوں نے ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے ہاتھ میں دینے کا مطالبہ کیا۔ لوگوں نے انگریزوں سے نفرت کا اظہار کیا۔ کانگرس کے اس فیصلے کو ہندوستان بھر میں سراہا گیا۔ قومی تحریک نے ایک نیا رخ لیا۔ انہی دنوں کانگرس کے سنگ سنگ ایک اور جماعت سامنے آتی ہے جس کا نام نوجوان بھارت سبھا تھا۔ اکثریت اس میں ایسے نوجوانوں کی تھی جو ہندوستان کی آزادی کا واحد حل تشدد کے ذریعے ہی سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں انگریزوں کو ختم کر کے ہی ہند کو آزاد کرایا جا سکتا تھا۔ جماعت کے اراکین میں ہندو مسلم سکھ یکساں طور سے شریک تھے۔ ان لوگوں کو کانگرس کی عدم تشدد کی پالیسی بالکل نہیں بھاتی تھی۔ تاہم ہندوستان کو غیروں سے آزاد کرانا دونوں کا مقصد اولین تھا۔ نوجوان بھارت سبھا کے اکثر اراکین کانگرس کے بھی رکن تھے۔ پشاور کہاں پیچھے رہ سکتا تھا۔ ویسے بھی سرزمین پشتون تو انقلابیوں کی آماجگاہ تھی۔ چند نوجوان انقلابیوں میں جن میں سرفہرست مولانا عبدالرحیم پوپلزئی، منظور حسین، فضل الٰہی، عبداللطیف، عبدالعزیز، خوش باش، [illegible]

عبدالغفور، [illegible] اللہ بخش برقی اور [illegible] بخش وغیرہ تھے۔ ہندوستان کے انقلابیوں کی پیروی کرتے ہوئے "نوجوانان سرحد" کے نام سے ایک جماعت بنائی۔ چند ہی دنوں میں اس کی ممبر شپ سینکڑوں تک جا پہنچی۔ اس کی شاخیں پشاور کے علاوہ مردان اور بنوں میں بھی قائم کر دی گئیں۔ نوجوان بھارت سبھا کے اراکین نے انگریزوں کے خلاف عملی اقدام کے لئے قدم بڑھایا۔ وائسرائے ہند کی ٹرین کو بم سے اڑانے کی کوشش کی گئی۔ چند بینک لوٹے گئے اور پنجاب میں تو سانڈرس نامی ایک انگریز افسر کو قتل بھی کیا گیا۔ تمام ملک میں انگریز افسروں پر قاتلانہ حملے روزانہ کا معمول بن گئے۔ انقلابیوں نے ہندوستان بھر میں ایک آگ سی لگا دی تھی۔ سارے ملک میں حکمرانوں کے لئے خوف و دہشت کی فضا پیدا ہو گئی۔ سنٹرل اسمبلی ہال میں اجلاس کے دوران بم پھینکا گیا۔ پولیس نے چند انقلابیوں کو موقع پر پکڑ لیا۔ تفتیش کی گئی تو تمام واقعات کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی گئیں۔ نوجوان بھارت سبھا کا مقبول و مشہور رہنما بھگت سنگھ معہ اپنے چند دوستوں کے پکڑا گیا۔ ان پر لاہور سازش کیس کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع ہوا۔ لاہور سازش کیس کے علاوہ میرٹھ اور کاکوری سازش کیس بھی چلائے گئے۔ اکثر انقلابیوں کو پھانسی دی گئی۔ بھگت سنگھ کو راج گرو، سکھدیو اور دت کے ہمراہ ۲۳ مارچ ۱۹۳۱ء کی رات کو پھانسی دی گئی۔ پشتون خواہ قربانیوں میں ہندوستان سے کہاں پیچھے رہ سکتا تھا۔ ضلع مردان کے ایک نوجوان ہری کشن نے ۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء کو پنجاب یونیورسٹی کے کانووکیشن کے موقع پر پنجاب کے گورنر سر جیفری پر قاتلانہ حملہ کیا۔ سر جیفری کی قسمت اچھی تھی گولی اس کے ہاتھ پر لگی۔ اس کے ساتھ [illegible] ایک اور پولیس افسر مارا گیا۔ ہری کشن کو موقع پر ہی گرفتار کیا گیا۔ انجام اس کا بھی اس کے دوسرے انقلابی ساتھیوں کی طرح پھانسی پانا ہی تھا۔

بات پھر سے آتی ہے گاندھی جی کی سول نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کی طرف۔ گاندھی جی نے نمک کے قانون کو توڑنے کا فیصلہ کیا۔ سمندر کے کنارے ڈانڈی نامی جگہ نمک سازی کے لئے چنی گئی۔ وہاں ان کو گرفتار کیا گیا۔ ان کی گرفتاری کے بعد روزانہ پانچ سات کارکن نمک بناتے اور حکومت انہیں گرفتار کرتی۔ سول نافرمانی کی ابتدا ہو گئی۔ [illegible] ہندوستان کی طرح پشاور میں بھی نمک کے قانون کو

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

توڑا گیا۔ پتہ سے شور مچی لاکر نمک بنانے کا کام [illegible] نیلام کیا گیا۔ چھوٹی چھوٹی پڑیاں سو ڈیڑھ سو روپے میں نیلام ہو گئیں۔ سرحد کی حکومت نے اس نافرمانی پر کانگریسی رضاکاروں کے خلاف کوئی اقدام نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ بہت غور و فکر کے بعد رضاکاروں نے فیصلہ کیا کہ شراب خانوں پر پکٹنگ کی جائے۔ اس مقصد کے لئے باچا خان اور ان کے ساتھیوں کو پشاور آنے کی دعوت دی گئی۔ پکٹنگ کے لئے ۲۳ اپریل کا دن چنا گیا۔ ۲۲ اور ۲۳ اپریل کی درمیانی شب کو کانگریس کے سرگرم اراکین سید لعل بادشاہ، مولوی عبدالرحیم، علی گل خان، رحیم بخش، خان میر ہلالی، لالہ پیٹرا خان، عبدالرحمن ریا، اچرج رام گھنڈی کو گرفتار کیا گیا۔ اللہ بخش برقی اور غلام ربانی سیٹھی رات کو گرفتاری سے بچ گئے تھے۔ فیصلہ کیا گیا کہ وہ دن کے وقت گرفتاری دیں گے۔

۲۳ اپریل کا خونی سورج بقیہ دنوں کی طرح طلوع ہوا۔ باچا خان کو میاں احمد شاہ، عبدالاکبر خان اکبر، سرفراز خان اور حاجی شاہنواز خان کے ہمراہ پشاور آتے ہوئے نختی تھانے کے قریب گرفتار کرکے واپس چارسدہ لے جایا گیا۔ کانگریس کے اراکین کی گرفتاری پر پشاور شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ گرفتار شدہ اراکین کو قلعہ بالاحصار میں رکھا گیا۔ اللہ بخش برقی اور غلام سیٹھی کو دن کے وقت کانگریس کے دفتر سے گرفتار کرکے تھانہ کابلی لے جایا گیا۔ اس اثنا میں کافی ہجوم جمع ہو گیا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان کے محبوب رہنماؤں کی ہتھکڑیاں اتاری جائیں۔ گرفتار شدہ اراکین خود چل کر تھانے جانے کو راضی ہو گئے۔

دونوں رضاکار آگے آگے اور کم از کم بیس ہزار افراد کا ہجوم ان کے ساتھ ساتھ کابلی تھانے کی طرف رواں دواں تھا۔ دونوں رہنما تھانے کے اندر چلے گئے اور ہجوم باہر ہی کھڑا رہا۔ ہجوم میں اور بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ہجوم رضاکاروں کے حق میں ان کی رہائی کے لئے نعرے لگا رہا تھا۔ کچھ لوگوں نے بے قابو ہو کر تھانے پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ پولیس نے گھبرا کر ڈپٹی کمشنر کو فون کیا کہ ان کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ حکومت کی طرف سے بھیجی گئی پہلی آرمڈ کار نہایت تیزی سے کابلی دروازے میں داخل ہوئی اور ایک نوجوان لالہ دسوندھی رام کو کچلتی ہوئی آگے بڑھی۔ لوگوں کا غیض و غضب انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ اتنے میں ایک انگریز فوجی موٹر سائیکل پر سوار آ نکلا [illegible] دیا۔ ہجوم میں سے ایک شخص نے [illegible]

tsurdu.blogspot.com

[illegible] کی پٹرول کی ٹینکی کو آگ لگا دی۔ حالات قابو سے باہر ہو گئے۔ انگریز اپنے غلاموں کی یہ حرکت کہاں برداشت کر سکتے تھے۔ انہوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ لوگوں نے کچھ دیر تک تو مقابلہ کیا لیکن آرمڈ کاروں اور پیدل کا مقابلہ کہاں تک ہو سکتا تھا۔ لوگوں نے محفوظ مقامات کی طرف بھاگنا شروع کیا۔ لیکن ان کو کہیں پناہ نہ ملی۔ دن کے گیارہ بجے سے تین بجے تک متواتر فائرنگ ہوتی رہی۔ ہر طرف لاشوں کے انبار لگ گئے۔ اور خون کی ندیاں بہنے لگیں۔ بازار قصہ خوانی کسی میدان جنگ کا سا سماں پیش کر رہا تھا۔

گولیوں سے مرنے والوں کی تعداد چار سو سے تجاوز کر گئی۔ زخمیوں کی تعداد تو ہزاروں تک جا پہنچی تھی۔ اکثر لاشیں حکومت نے غائب کروا دیں۔ کچھ لاشیں ہسپتال میں دفن کی گئیں اور تقریباً تیس کے قریب شہدا کی لاشیں اردگرد کے دیہات والے اٹھا کر لے گئے۔ مسلمانوں کی لاشیں مختلف مسجدوں اور خانقاہوں میں دفنا دی گئیں جبکہ بعض غیر مسلموں کی لاشیں جلا دی گئیں۔ مارشل لاء نافذ کر کے شہر کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔

شہدائے اپریل ۱۹۳۰ کا ذکر گڑھوالی فوج کے ذکر کے بغیر نامکمل ہو گا۔ گڑھوالی فوج کے جیالوں نے نہتے عوام پر گولی چلانے سے انکار کیا۔ اس پر ان سب کا کورٹ مارشل کر کے انہیں مختلف سزائیں دے کر بعض کو عمر قید اور بعض کو دس سے بیس سال تک کی قید کی سزائیں دے کر مختلف جیلوں میں بھیج دیا گیا۔

اس واقعہ پر لوگوں کے دل رنج و غم سے بھر گئے۔ شاعروں نے اس پر اپنے اپنے انداز میں شعر کہے۔ مولانا ظفر علی خان جو اس زمانے میں گجرات جیل میں محبوس تھے نے قصہ خوانی کے حادثہ ناجیہ کو اس انداز میں بیان کیا ہے:

ملک الموت کو خاطر میں نہ لانے والے
گولیاں تانے ہوئے سینوں پہ کھانے والے

قبر تک صبر کو سہتے ہوئے جانے والے
صبر کا معجزہ دنیا کو دکھانے والے

رنگ اسلام کا محفل میں جمانے والے
اپنے ہی خون شہادت میں نہانے والے

tsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لیے اقبال کا نقارہ بجانے والے

تاج غلامی ... کو ... والے

دل کی بستی کو محبت سے بسانے والے

شان ایثار زمانے کو دکھانے والے

کشورِ ہند کو آزاد کرانے والے

نام مشرق سے غلامی کا مٹانے والے

جانتے بھی ہو کہ کس خاک سے اٹھی ہے یہ قوم
جس کے گن گاتے ہیں اور گائیں گے آگے زمانے

فخر ہے صوبۂ سرحد کو کہ اس کے فرزند
ہیں خیبر اس کی شجاعت کا اٹھانے والے

دنگ ہیں دیکھ کے اس قوم کے یہ رنگ ڈھنگ
نارمن بولٹن[1] اور اس کے گھرانے والے

اس کے فوراً بعد انگریزی استعمار نے ٹکڑ (مردان) اور ہاتھی خیل (بنوں) میں بھی گولی چلا دی۔ بے شمار قومی کارکن اور خدائی خدمت گار شہید اور زخمی ہوئے۔

انگریز کے ان مظالم نے صوبہ بھر میں ایک آگ لگا دی۔ خدائی خدمت گار اور کانگرسی رضاکار پورے صوبے میں پھیل گئے۔ انہوں نے انگریزوں کے مظالم کو اس انداز میں پیش کرنا شروع کیا کہ لوگوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہو گئیں۔ لوگ ان پر کئے گئے مظالم سن سن کر روتے۔ انہی دنوں فخر قوم میاں صاحب حمید گل کی کوششوں سے زیارت کاکا صاحبؒ میں ایک عظیم الشان جلسے کا انعقاد کیا گیا۔ اور لوگوں کے علاوہ جلسے میں علاقہ تیراہ سے آئی ہوئی آفریدی قوم نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔ جرگہ

[1] نارمن بولٹن اس وقت صوبہ سرحد کا چیف کمشنر تھا۔

کے مطابق اس جلسے میں آئندہ لائحہ عمل کے بارے میں فیصلہ کیا گیا۔ آفریدیوں نے مہمندوں کے ... ساتھ مل کر پیش ... کیا ... پشاور پر حملہ کر دیں گے اور مہمند شبقدر کے راستے پشاور پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ ان کی یہ متحدہ قوت انگریزوں کو اٹک کے اس پار بھگانے گی۔ لیکن ہمیشہ کی طرح انگریز کے نمک خواروں نے یہ خبر حکومت تک پہنچا دی۔ مہمندوں کے شبقدر پر حملے کے وقت انگریز کے یہ وفادار انگریز دوستی میں اس حد تک بڑھ گئے کہ ان حملہ آور مہمندوں کو دھمکی دے دی گئی کہ اگر وہ شبقدر کے راستے آئے تو شبقدر کے لوگ ان کا مقابلہ کریں گے۔ مہمندوں نے جب یہ حال دیکھا تو واپس لوٹنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی کیونکہ جن لوگوں کے لئے وہ جہاد کرنا چاہتے تھے وہ لوگ خود ہی اس کی مخالفت کر رہے تھے تو پھر ان کے آنے کا فائدہ ہی کیا۔ آفریدیوں نے پروگرام کے مطابق وزیر باغ کی سمت سے پشاور پر حملہ کیا۔ انہوں نے شہر کا محاصرہ کیا جو زیادہ دن تک نہیں رہ سکا۔ لڑائی میں کافی آفریدی شہید ہوئے لیکن آخر کار پسپا ہونے پر مجبور ہو گئے۔

اس کے بعد تو خدائی خدمت گاروں پر ظلم و ستم کا ایک ایسا دور شروع ہوا جس نے لوگوں کو سکھوں اور مغلوں کے مظالم کی یاد بھلا دی۔ ان کی کھڑی فصلیں جلا دی گئیں۔ ان کی بے عزتیاں کی گئیں۔ انہیں ننگا کر کے مارا پیٹا گیا۔ ان کے سامنے ان کی باپردہ مستورات کو ننگا کر کے پھرایا گیا جو کہ ان کے لئے موت سے بھی بدتر سزا تھی۔ ان سب مظالم کا نتیجہ کیا نکلا؟ کیا وہ لوگ ہمت ہار بیٹھے یا انہوں نے تحریک چھوڑ دی؟ نہیں بالکل نہیں۔ حکومت جتنی ان پر سختی کرتی گئی اتنی ہی ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ وہی خدائی خدمت گار جن کی تعداد ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء سے پہلے سینکڑوں میں تھی چند دنوں کے اندر ہی ان کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی۔ ان کے تمام قابل ذکر رہنما جیلوں میں ڈال دیئے گئے۔ باچا خان کو گجرات جیل بھیجا گیا جہاں اس وقت کے تمام اہم قوم پرست اور کانگریسی رہنما بند تھے۔ ان میں قابل ذکر مولانا کفایت اللہ صاحب، ڈاکٹر انصاری، مولانا احمد سعید، مولانا ظفر علی خان، عطاء اللہ شاہ بخاری، شنکر لال اور سنت رام جیسی ہستیاں شامل ہیں۔ یہیں آپ کی زندگی میں وہ عظیم انقلاب آیا جس نے آگے چل کر آپ کو جیتا جاگتا گاندھی کا پیروکار بنا دیا اور پیروکار بھی پھر ایسا جس نے آگے چل کر فلسفہ

tsurdu.blogspot.com

عدم تشدد پر اس حد تک عمل کیا کہ اپنے لئے گاندھی کے نام کی مناسبت سے سرحدی گاندھی کا لقب پایا۔

باچا خان گجرات جیل میں تھے اور ان کے صوبے میں ظلم و تشدد کا دور دورہ تھا۔ انگریز تحریک کو کچلنے کی پوری کوشش کر رہے تھے۔ مارچ ١٩٣١ء میں گاندھی اور وائسرائے ہند لارڈ ارون میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے تمام سیاسی قیدی رہا کر دیئے گئے۔ لیکن باچا خان اور خدائی خدمت گار بدستور جیلوں میں پڑے ہوئے تھے۔ گاندھی جی نے جب ان کی رہائی کا مطالبہ کیا تو وائسرائے نے کہا کہ ان لوگوں کا تو کانگرس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے ان کی رہائی معاہدے کی رو سے ناقابل عمل ہے۔ دراصل انگریز خدائی خدمت گاروں کو روس کے بالشویکوں کے ایجنٹ کے طور پر پیش کرنا چاہتے تھے۔ جب نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے فوراً باچا خان کو پیغام بھجوایا کہ جیسے بھی ہو اپنا تعلق ہندوستان کی بڑی سیاسی پارٹیوں میں سے کسی کے ساتھ جوڑ دو ورنہ انگریز تمہیں ختم کرنے کے درپے ہے۔ میاں جعفر شاہ اور میاں عبداللہ شاہ جو اب تک گرفتاری سے بچے ہوئے تھے گجرات جیل میں باچا خان کو صاحبزادہ صاحب کا یہ پیغام دیا۔ صلاح مشورے کے بعد یہ طے پایا گیا کہ مسلم لیگ کے ساتھ رابطہ قائم کرنا چاہیئے۔ ان کو پیغام بھیجا گیا لیکن جواب نفی میں ملا کیونکہ مسلم لیگ کی نظر میں انگریزوں سے زیادہ ان کے دشمن ہندو تھے۔ جبکہ باچا خان اور ان کی جماعت انگریزوں کے خلاف تھی۔ اس لئے مسلم لیگیوں کا خدائی خدمت گاروں کے ساتھ اتحاد کرنا تو کجا وہ لوگ ان کو اپنے پاس رکھنے کے لئے بھی تیار نہیں تھے

مسلم لیگ سے مایوس ہو کر آل انڈیا نیشنل کانگرس کو اپنے نمائندے بھیجے گئے۔ ان کا مقصد بھی انگریزوں کے چنگل سے ہند کو آزاد کرانا تھا اور خدائی خدمت گار بھی آزادی کے لئے لڑ رہے تھے لہٰذا کانگرس نے انہیں گلے لگایا۔ گاندھی جی کو جیسے ہی خدائی خدمت گاروں کے کانگرس سے الحاق کی خبر پہنچی وہ فوراً جا کر وائسرائے سے ملے اور انہیں کہا کہ اب یہ لوگ کانگرس میں شامل ہو گئے ہیں لہٰذا انہیں بھی رہا کرا دیا جائے۔ ١٠ مارچ کو خدائی خدمت گاروں کو رہائی ملی۔

لندن میں ہندوستانی رہنماؤں کی انگریزوں کے ساتھ گول میز کانفرنس ہو رہی تھی۔ سرحد کی نمائندگی صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے کی۔ واپسی میں ١٩٣٢ء میں وہ اپنے عوام کے لئے جہاں ایک طرف اصلاحات حاصل کر کے

وہیں ان کو یہ خوشخبری بھی دی کہ ہندوستان کے دیگر صوبوں کی طرح اب صوبہ سرحد بھی چیف کمشنر کے بجائے گورنر کا صوبہ بن گیا۔ اپریل ١٩٣٢ء میں وائسرائے ہند لارڈ ولنگڈن پشاور آئے اور سر رالف گرفتھ کو گورنر بنانے کا اعلان کیا۔ وہی اصلاحات جو ہندوستان کے اور صوبوں کو برسوں پہلے ملی تھیں۔ اب صوبہ سرحد کو بھی دے دی گئیں۔ مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات بھی دے دی گئیں۔ لیجسلیٹو کونسل کے لئے پہلی دفعہ انتخابات کرائے گئے جن کا خدائی خدمت گاروں نے مکمل بائیکاٹ کیا۔ کل منتخب ممبران کی تعداد ٣٦ ہوتا تھی جن میں سے زیادہ تعداد نامزد ممبران کی تھی۔ صاحبزادہ صاحب وزارت کے لئے واحد امیدوار تھے۔ اس کے بعد ١٩٣٤ء میں پہلی دفعہ سرحد سے ایک رکن سنٹرل اسمبلی (مرکزی اسمبلی) کے لئے لینے کا فیصلہ کیا گیا۔ کانگرس اور خدائی خدمت گاروں کے متفقہ امیدوار باچا خان کے بڑے بھائی ڈاکٹر خان صاحب تھے۔ ہندو مہا سبھا کی طرف سے رام داس بگائی تھا جبکہ حکومت کے حلیف اور وفادار خوانین کا امیدوار راجہ حیدر زمان تھا۔ نتیجہ ڈاکٹر خان صاحب کی کامیابی کی شکل میں نکلا۔

اس کے تھوڑے عرصے بعد ہی ہندوستان بھر میں نئی اصلاحات کی رو سے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ ١٩٣٥ء کے تحت عام انتخابات ہوئے۔ صوبائی کانگرس نے صوبہ میں آل انڈیا نیشنل کانگرس کے جماعتی فیصلے کے مطابق انتخابات میں حصہ لیا۔ حکومت نے دھاندلی کے بہت طور طریقے اپنائے لیکن پھر بھی پچاس ارکان اسمبلی میں سے انیس کانگرسی تھے۔ سولہ ارکان نواب صاحب سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی مسلم نیشنلسٹ پارٹی سے کامیاب ہوئے جبکہ آٹھ ممبران ہندو سکھ نیشنلسٹ پارٹی کے تھے۔ ڈیموکریٹک پارٹی کے چار اراکین کامیاب ہوئے اور باقی ارکان آزاد امیدوار کی حیثیت سے سامنے آئے۔ کانگرس ہائی کمان کے فیصلے کے مطابق اکثریت میں ہونے کے باوجود انہوں نے وزارت نہیں بنائی۔ گورنر سرحد سر جارج کنگھم نے نواب سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان کو وزارت بنانے کی دعوت دی۔ یکم اپریل ١٩٣٧ء کو وزارت بنی۔ صاحبزادہ کے علاوہ وزارت کے اراکین میں رائے بہادر مہر چند کھنہ اور سر سعد اللہ خان بھی شامل تھے لیکن ستمبر ١٩٣٧ء میں کانگرس نے صاحبزادہ صاحب کی وزارت پر عدم اعتماد کا ووٹ پاس کیا۔ کانگرس ہائی کمان نے وزارت بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ بنائے گئے۔ ان کی وزارت میں ان

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

کے ساتھ قاضی عطاء اللہ، محمد عباس خان اور اسعبرام [illegible] خان تھے۔ وزارت نے دو سال اور [illegible] کی مختصر مدت میں عوام میں کافی مقبولیت حاصل کر لی تھی۔ بہت سے ناجائز ٹیکسوں کا خاتمہ کیا گیا اور لوگوں کو رہنے کا طریقہ سکھایا گیا۔ لوگوں کی اصلاح کے لئے کافی انقلابی قسم کے اقدامات کئے گئے۔ لیکن عوام میں [illegible] حاصل کرنے والی اسی وزارت نے اپنے ہی لوگوں پر ظلم و ستم کر کے تاریخ میں ایک نیا باب پیدا کیا۔ غلہ ڈھیر میں کسان تحریک اس بات کی شاہد ہے کہ اپنے لوگوں پر بھی ظلم کرنا کہاں کا انصاف تھا۔ نواب طور و کو خوش کرنے کے لئے غلہ ڈھیر کے کسانوں کی بیدخلیاں کی گئیں۔ ان کے رہنماؤں کو جیلوں میں ڈال دیا گیا۔ خود کارکن بھی کہتے رہے کہ ہم نے قربانیاں کیا اس لئے دی تھیں کہ ہمیں تو پیٹ بھر کر نان، تن ڈھانپنے کے لئے کپڑا اور سر چھپانے کو مکان بھی نہ ملے جبکہ نوابوں اور خانوں کے خزانے اسی طرح بھرتے رہیں۔ آخر کار ان کسان کی مداخلت سے فریقین کے درمیان صلح کرائی گئی۔

انہی دنوں ہندوستان کی آزادی کے لئے تشدد اور عدم تشدد اختیار کرنے کا جھگڑا ایک بار پھر شروع ہوا۔ گاندھی جی ہمیشہ کی طرح عدم تشدد ہی کی وکالت کر رہے تھے جبکہ انقلابی کانگرسی نوجوان ہندوستان کی آزادی چاہتے تھے، چاہے وہ کسی بھی قیمت پر کیوں نہ ہو۔ ان لوگوں کا رہنما سبھاش بابو اور ان کے ساتھی کانگرس کے اندر ہی رہ کر انقلابی اقدام کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے کانگرس کے اندر ہی رہ کر اپنے لئے فارورڈ بلاک بنائی۔ کانگرس کے صدارتی انتخاب میں سبھاش بابو گاندھی جی کے امیدوار سیتا رامیہ پٹیا بھائی کے خلاف میں کامیاب ہوئے۔ ان کو بھاری اکثریت ملی تھی لیکن بعد میں حالات کی نزاکت کو جانتے ہوئے اور پارٹی کو انتشار سے بچانے کے لئے انہوں نے صدارت سے استعفیٰ دیا۔ صوبہ سرحد میں بھی ہندوستان کے باقی صوبوں کی طرح فارورڈ بلاک بنا۔ ان کے اور باچا خان کے درمیان معمولی نوعیت کے اختلافات بھی پیدا ہوئے لیکن باچا خان کی ہر دلعزیز اور متاثر کن شخصیت کے آگے ان کی ایک نہیں چلتی تھی۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں یورپ میں جنگ عظیم دوئم شروع ہوئی۔ ہندوستان کو بھی اس کی مرضی جانے بغیر اس آگ میں جھونک دیا گیا۔ انگریزوں نے ملک کے منتخب نمائندوں کو اس قابل نہیں سمجھا کہ ان سے کوئی مشورہ کیا جاتا۔ کانگرس ورکنگ کمیٹی کے فیصلے کے مطابق تمام کانگرسی وزارتیں [illegible] سے مستعفی ہو گئیں۔

ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت نے استعفیٰ دے دیا۔ یہ واقعہ ۷ نومبر ۱۹۳۹ کا ہے اور ۱۱ نومبر ۱۹۳۹ کو گورنر راج کا نفاذ ہوا۔ گورنر نے دفعہ ۹۳ کے تحت تمام اختیارات خود سنبھال لئے۔ اس پر قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کو ہدایت کی کہ وہ کانگرس کی غیر موجودگی میں اور ان کو کسی بھی قیمت پر ہر صوبے میں لیگ کی وزارت بناؤ۔ یہاں صوبہ سرحد کے حوالے سے قائداعظم محمد علی جناح کا تھوڑا سا ذکر بھی ضروری ہے۔ انہوں نے اکتوبر ۱۹۳۹ء میں پشاور کا دورہ کیا۔ اس دورے میں انہیں کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت صوبے بھر میں صاحبزادہ عبدالقیوم خان کا طوطی بولتا تھا۔ انہوں نے حتی الوسع قائداعظم محمد علی جناح کی قدر و عزت کی لیکن لیگ میں شامل نہیں ہوئے۔ صاحبزادہ صاحب اپنے اوپر عدم اعتماد کا ووٹ پاس ہونے کے بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہے۔ اور ۱۹۳۷ء کے آخری دنوں میں فوت ہوئے۔ ان کے مرنے پر ان کی پارٹی تتر بتر ہو گئی۔ پارٹی کے سرکردہ ارکان سردار اورنگ زیب خان مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اکثر عہدیداروں نے جن میں بڑی تعداد خوانین کی تھی نے بھی لیگ میں شامل ہونے میں ہی اپنی عافیت جانی۔ کیونکہ ان کے مفادات کا دفاع مسلم لیگ ہی کر سکتی تھی۔ صوبہ سرحد کی اس زمانے کی مسلم لیگ بالکل عوامی جماعت نہیں تھی اگرچہ ۱۹۳۰ء ہی میں ایبٹ آباد میں قاضی عبدالحکیم اور مولانا محمد شعیب نے اس کو فعال بنانے کی کوشش کی تھی۔ خان بہادر سعداللہ خان سمیت دیگر خوانین کے لیگ میں شامل ہو گئے۔ ان دنوں کی صوبائی لیگ "خوانین لیگ" کہلاتی تھی جس کا کام بقول کسے کے صرف نوابوں اور خوانین کے ڈرائنگ روموں میں جانا اور چائے وغیرہ کی دعوتیں اڑانا ہی تھا۔ ایسے حالات میں قائداعظم کی ایماء پر سردار اورنگ زیب خان نے لیگی وزارت بنانے کے لئے تگ و دو شروع کر دی۔

جنگ میں شدت آ گئی۔ جرمنوں کی طرف سے جاپان بھی جنگ میں کود پڑا۔ جاپان کی شمولیت سے چین اور امریکہ کو بہت تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے اپنی کوششیں اس بات پر صرف کر دیں کہ جیسے بھی ہو ہندوستان کی حمایت حاصل کی جائے۔ فروری ۱۹۴۲ء میں چین کے چیانگ کائی شیک نے اپنی بیگم کے ہمراہ ہندوستان کا دورہ کیا۔ یہاں آ کر وہ وائسرائے ہند کے علاوہ ہندوستانی لیڈروں سے بھی ملا۔ ۸ مارچ ۱۹۴۲ء کو رنگون اتحادیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اب تو امریکی صدر روز ویلٹ کی پریشانی اور بھی بڑھنے لگی۔ اس نے اپنا ذاتی نمائندہ [illegible] ہندوستان بھیجا [illegible] برطانوی وزیراعظم ونسٹن چرچل نے سر سٹیفورڈ

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

کرپس کو کچھ تجاویز کے ہمراہ ہندوستان بھیجا۔ سر کرپس نے اپنے منصوبے میں ایک آزاد وفاق کی وکالت کی۔ ساتھ ہی منصوبے کے تحت صوبوں کو یہ حق حاصل تھا کہ اگر وہ وفاق ہند سے نکلنا چاہیں تو انہیں اس کی اجازت ہوگی۔ ہندوستان کی دونوں بڑی جماعتوں آل انڈیا نیشنل کانگرس اور آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے اپنے طور پر کرپس منصوبہ رد کردیا۔ مشن ناکام ہوکر ۱۱ اپریل ۱۹۴۲ء کو انگلستان واپس چلا گیا۔

ہندوستان بھر میں مکمل آزادی کے مطالبے میں زور ڈالنے کے لئے اکتوبر ۱۹۴۰ء سے سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوگئی۔ گاندھی جی کو تحریک کی باگ ڈور سونپی گئی۔ انہوں نے شروع میں انفرادی ستیہ گرہ کے طریقے کو پسند کیا۔ ونوبا بھاوے پہلے شخص تھے جنہوں نے اس سلسلے میں قربانی دی اور گرفتار کرلیے گئے۔ جلد ہی تحریک پورے ہندوستان میں پھیل گئی۔ صوبہ سرحد اس معاملے میں کہاں پیچھے رہ سکتا تھا۔ سرحدی رضاکاروں نے بھی گرفتاریاں پیش کرنا شروع کردیں۔ پہلے جتھے میں گرفتار ہونے والوں میں مولانا عبدالرحیم پوپلزئی، رام سرن نگینہ، ارباب عبدالغفور خان، ولی محمد خان طوفان وغیرہ شامل تھے۔ ان کے بعد گرفتاریوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ پھر سے شروع ہوگیا۔ سول نافرمانی کی اس تحریک کے سنگ سنگ ۸ اگست ۱۹۴۲ء کو ہائی کمان نے "ہندوستان چھوڑ دو" کی تحریک بھی شروع کردی۔ صوبہ سرحد میں دس کانگرسی ایم ایل اے گرفتار کیے گئے۔ خدائی خدمتگاروں پر پہلے کی طرح پھر سے حکومت نے ظلم کی انتہا کردی۔ نہتے اور پرامن رضاکاروں پر لاٹھی چارج تو روزانہ کا معمول تھا۔ کارکنوں پر بھاری جرمانے عائد کیے گئے۔ ان کے سامان نیلام کیے گئے۔ سرعام ننگا کرکے پیٹا گیا۔ ان کے رشتہ داروں کو نوکریوں سے نکالا گیا۔ ان پر تشدد کے نت نئے طریقے آزمائے گئے۔ سردیوں میں رضاکاروں کو ٹھنڈے پانی میں غوطے دیئے گئے اور گرمی میں ان کو ننگا کرکے گرم ریت پر لٹایا جاتا۔ تشدد اتنا بڑھا کہ باچا خان خود بھی اس کے نشانے سے نہ بچ سکے۔ ان کو اتنا مارا گیا کہ ان کی دو پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ پولیس اور انتظامیہ کو حکم تھا کہ من مانے تشدد کے طریقے ان لوگوں پر آزمائے جائیں تاکہ اور لوگوں کو عبرت ہو۔ لیکن ان سب کا نتیجہ کیا نکلا۔ باچا خان کی عملی تربیت کا نتیجہ ہی تھا کہ جتنا ان کو دبایا گیا اتنا ہی ان کی تعداد بڑھتی گئی۔ جتنی ان پر سختیاں کی گئیں ان کے ارادوں میں پختگی آتی گئی۔ یہ سیلاب یہ طوفان کون روک سکتا تھا کیونکہ ؎

جو کہ راہوں کے چھالوں کو نہیں گنتے ہیں
راہ پر خار محبت میں گزرنے والے

کانگرسی اراکین اسمبلی کے جیل جانے پر مسلم لیگ کے لئے میدان صاف ہوگیا۔ انگریزی حکومت کی بھی یہی پالیسی تھی کہ جتنا بھی ممکن ہوسکے غیر کانگرسی وزارتیں صوبوں میں بنالیں تاکہ دنیا کو دکھا سکیں کہ سوائے کانگرس کے ملک میں اور قوتیں انگریزوں کا ساتھ دے رہی ہیں۔ سردار اورنگ زیب خان نے پوری تندہی سے لیگ وزارت کے لئے کوششیں شروع کردیں اور آخر کار اکالی پارٹی کے سردار اجیت سنگھ کو ساتھ ملانے میں کامیاب ہوگئے۔ سردار اجیت سنگھ کے علاوہ انہوں نے آزاد رکن سردار عبدالرب نشتر اور ایک کانگرسی ممبر ثمین جان خان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ الغرض مسلم لیگ کی مخلوط حکومت کا قیام ۲۵ مئی ۱۹۴۳ء کو عمل میں آیا۔ سردار اورنگ زیب خان وزیراعلیٰ بنے۔ ثمین جان خان کو وزیر تعلیم بنایا گیا۔ سردار عبدالرب نشتر وزیر خزانہ، راجہ عبدالرحمٰن خان وزیر اطلاعات اور سردار اجیت سنگھ وزیر صحت بنائے گئے۔ کچھ وجوہات کی بنا پر مسلم لیگ کی یہ حکومت ناکام رہی۔ تقریباً ڈھائی سال کے عرصے میں انہوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ نتیجتاً کانگرسی ممبران کے جیل سے باہر آنے کے فوراً بعد مارچ ۱۹۴۵ء میں سردار اورنگ زیب پر عدم اعتماد کا ووٹ پاس ہوا اور وزارت دوبارہ ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں کانگرس کی بن گئی۔

جون ۱۹۴۵ء میں یورپ میں جنگ کے حالات میں کچھ بہتری پیدا ہوئی۔ امریکی رائے عامہ نے انگریزوں پر ہندوستان کی آزادی کے لئے نئے سرے سے دباؤ ڈالنا شروع کیا۔ وائسرائے ہند لارڈ ویول ہندوستان سے لندن گیا تاکہ وہاں ہندوستان کے مسئلے کے حل کے لئے کوئی راہ نکالے۔ وہاں طے پایا کہ ہندوستان کے نمائندہ سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کی ایک گول میز کانفرنس بلائی جائے۔ ہندوستان واپسی پر وائسرائے نے تمام گرفتار شدہ کانگرسی اراکین ورکنگ کمیٹی کو رہا کردیا جو کہ "ہندوستان چھوڑ دو" تحریک کے دنوں سے نظر بند اور گرفتار تھے۔ شملہ کانفرنس ۲۵ جون ۱۹۴۵ء سے شروع ہوئی۔ اور باتوں کے علاوہ وائسرائے نے ایک تجویز پیش کی کہ مرکز میں ایک نمائندہ حکومت بنائی جائے جس میں پانچ ہندو، پانچ مسلمان، ایک سکھ، ایک پارسی اور ایک اچھوت نمائندہ شامل ہو۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر قائداعظم نے تجویز مانتے ہوئے مطالبہ

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

کیا کہ مسلمان اراکین تمام مسلم لیگی ہوں گے۔ کانگرس نے مطالبہ کیا کہ پانچ مسلم اراکین میں سے چار لیگی ہوں اور ایک کانگرسی مسلمان ہو۔ قائد اعظم نہ مانے۔ کانگرس کے اس وقت کے صدر مولانا ابوالکلام آزاد نے قائد اعظم کو سمجھانے کی کوشش کی کہ کانگرس صرف ہندوؤں کی جماعت نہیں ہے۔ اس میں مسلمانوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ سب سے بڑا ثبوت اس کا یہ ہے کہ وہ خود مسلمان ہو کر بھی اس کے صدر ہیں۔ لہذا کانگرس کو قومی جماعت کی حیثیت سے مانا جائے بجائے اس کے کہ اس کو ہندوؤں کی جماعت کا نام دیا جائے۔ لیکن قائد اعظم نہ مانے اور اپنی بات پر اڑے رہے۔ نتیجہ شملہ کانفرنس کی ناکامی کی صورت میں نکلا۔ اس کے فوراً بعد ملک میں عام انتخابات کرائے گئے۔ انتخابات کا نتیجہ ۱۰ فروری ۱۹۴۶ء کو منظر عام پر لایا گیا۔ صوبہ سرحد کی اسمبلی میں پچاس نشستوں میں سے تیس نشستیں حاصل کرکے کانگرس نے مکمل کامیابی حاصل کی جبکہ مسلم لیگ کو سترہ نشستیں ملیں۔ ہندوستان کے گیارہ میں سے آٹھ صوبوں یعنی اڑیسہ، مدراس، سی پی، یوپی، بہار، شمال مغربی سرحدی صوبہ، آسام اور بمبئی میں کانگرس نے اکثریت حاصل کی جبکہ بنگال، سندھ اور پنجاب میں مسلم لیگ اکثریتی جماعت بن کے نکلی۔

انگلستان میں بھی لیبر پارٹی برسر اقتدار آئی۔ انہوں نے ہندوستان کے مسئلے کے حل کے لیے کابینہ کے تین وزیروں پر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجا۔ وفد کے اراکین میں لارڈ پیتھک لارنس، سر سٹیفورڈ کرپس اور اے وی الیگزنڈر شامل تھے۔ مارچ ۱۹۴۶ء میں وفد ہندوستان پہنچا۔ آتے ہی وفد کے اراکین کی مختلف سیاسی پارٹیوں سے بات چیت ہوئی۔ کانگرسی اراکین جو وفد سے ملے ان میں پنڈت جواہر لعل نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، باچا خان اور ولبھ بھائی پٹیل شامل تھے۔ جبکہ مسلم لیگ کے وفد میں قائد اعظم جناح، سردار عبدالرب نشتر، نواب اسمٰعیل خان اور لیاقت علی شامل تھے۔ ۵ سے ۱۲ مئی تک شملہ میں پھر ایک کانفرنس بلائی گئی۔ وہاں وفد کے اراکین کو اندازہ ہو گیا کہ کانگرس اور لیگ کے درمیان کی خلیج اتنی بڑھ چکی ہے کہ بآسانی اسے پاٹنا مشکل ہے۔ آخر کار ہر طرف سے ناکام ہو کر وزارتی مشن کے اراکین نے اپنی کچھ تجاویز اس طرح پیش کیں کہ ہندوستان کو تقسیم کرکے ہر حصے میں ایک خود مختار حکومت قائم کی جائے۔ لیکن تمام حکومتیں مرکز کے ماتحت ہونی چاہئیں۔ تقسیم اس طرح تھی۔

گروپ الف : مدراس، بمبئی، سی پی، یوپی، اڑیسہ اور بہار۔

گروپ ب : پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ اور سندھ۔

گروپ ج : بنگال اور آسام۔

آل انڈیا نیشنل کانگرس نے ان تجاویز کو اس لئے مسترد کر دیا کہ وہ ہندوستان کی تقسیم کے لئے پیش کی جانے والی ہر تجویز کے خلاف تھی۔ آل انڈیا مسلم لیگ نے پہلے تو سکیم کو منظور کر لیا تھا کیونکہ اس میں پاکستان کے لئے مبہم سے اشارے موجود تھے لیکن بعد میں اس بنا پر مسترد کر دیا کہ مشن کے اراکین نے باقاعدہ طور پر تقسیم کے متعلق کچھ نہیں کیا تھا۔ اس کے علاوہ کانگرس ویسے بھی صوبوں کے آپس میں اتحاد کو رضاکارانہ چاہتی تھی جبکہ مسلم لیگ لازمی گروپ بندی کی حمایت کر رہی تھی۔

حالات بڑی تیزی سے بدل رہے تھے۔ برطانوی حکومت بھی اب جلد از جلد ہندوستان کے مسائل سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔ ادھر ہندوستان کی سیاسی پارٹیوں کے رہنما کسی متفقہ فیصلے پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ اگست ۱۹۴۶ء میں وائسرائے ہند کی دعوت پر سیاسی رہنماؤں کو عبوری دور کے لئے ایک عارضی حکومت بنانے کی دعوت دی گئی۔ پنڈت جواہر لعل نہرو کو نائب صدر بنایا گیا جبکہ مسلم لیگ نے قائد اعظم کی رہنمائی میں عبوری حکومت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ ملک کے طول و عرض میں فسادات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جو بہت سی جانوں کا نذرانہ لے کر ہی تھما۔ کچھ عرصہ بعد مسلم لیگ عبوری حکومت میں شمولیت پر راضی ہوئی۔ اس کے بعد ہندوستان کے قابل ذکر رہنماؤں کو انگلستان بلایا گیا لیکن وہاں بھی نتیجہ صفر کا صفر ہی رہا۔ اسی اثنا میں لارڈ ویول کی جگہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو ہندوستان بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔ ۲۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو ماؤنٹ بیٹن ہندوستان کے نئے وائسرائے کی حیثیت سے دہلی پہنچا۔ اس نے آتے ہی لیگ اور کانگرس میں سمجھوتہ کرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ لیکن اسے کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔

انہی دنوں صوبہ سرحد کی کانگرسی حکومت کے خلاف مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی۔ تحریک چلانے والے اور مطالبات کے علاوہ ڈاکٹر خان صاحب کے استعفیٰ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ حالات دن بدن خراب ہوتے گئے۔ ماؤنٹ بیٹن نے حالات کا بذات خود جائزہ لینے کے لئے ۲۸ اپریل کو پشاور کا دورہ کیا۔ اس موقع پر ہزاروں لیگی صوبے کے طول و عرض سے پشاور کے

itsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

مشہور پارک کننگھم پارک (موجودہ جناح پارک) میں جمع ہوگئے جہاں ایک تاریخی جلسہ ہوا۔ یہ وہ
اب پرانی خان بہادروں اور نوابوں والی مسلم لیگ نہیں رہی تھی بلکہ اب ایک حد تک عوامی جماعت
تھی۔ مسلم لیگ کے بدن میں نئی روح پھونکنے والوں میں امیر الحسنات پیر مانکی صاحب کا نام سرِ فہرست ہے۔
۳ جون ۱۹۴۷ء کو برصغیر پاک و ہند کی قسمت کا فیصلہ سنا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی صوبہ سرحد
میں ریفرنڈم (استصواب رائے) کرانے کا بھی اعلان کیا گیا۔ ریفرنڈم اس بات پر ہونا تھا کہ یہاں کے
باشندے ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں یا پاکستان میں جانا پسند کریں گے۔ کانگریس ہائی کمان نے انگریزوں
کے اس فیصلے کو مان لیا۔ جبکہ صوبائی کانگریس نے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ہندوستان کے دو
صوبوں کو اس بات کا حق دیا گیا تھا کہ ان کے منتخب نمائندے ہی ان کی قسمت کا فیصلہ کریں جبکہ صوبہ
سرحد کے ساتھ ایک سوتیلے بیٹے کی طرح کا سلوک ہو رہا تھا۔ باچا خان اور ان کے ساتھیوں نے مطالبہ
کیا کہ اگر ریفرنڈم کرانا ہی ہے تو پھر ہندوستان کا نام درمیان میں سے نکال دو کیونکہ ہم ان کے ساتھ رہنا
نہیں چاہتے بلکہ اس کی جگہ پاکستان اور آزاد پختونستان کا نام شامل کرو۔ باچا خان نے کانگریس ورکنگ کمیٹی
کے اجلاس میں اپنی آخری تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پختونوں نے تو آپ کے سنگ سنگ ہندوستان کی
جنگ آزادی لڑی ہے۔ انگریزوں نے اس سلسلے میں کون سا ظلم اور تشدد کا حربہ ہم پر نہیں آزمایا۔
انہوں نے ہمیں لالچ بھی دیئے اور خریدنے کی کوشش کی۔ لیکن ہم آزمائش کی اس گھڑی میں آپ کے ساتھ رہے۔
اب جبکہ آزادی کا پھل ملنے والا ہے اور انگریز نے برصغیر کو تقسیم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو آپ لوگوں نے
اس کٹھن وقت میں ہمیں اکیلا چھوڑ دیا۔ اس سے بڑی ناانصافی اور کون سی ہوگی۔ کہاں گئیں ہماری وہ ساری
قربانیاں اور کہاں گئے آپ کے عمر بھر ساتھ نبھانے کے وعدے۔ کہاں گئی آپ کی وہ دوستی۔ آپ لوگوں نے
ہمیں بھیڑیوں کے آگے ڈال دیا ہے۔ لیکن کانگریس نے تو تقسیم ہند کا فیصلہ اصولی طور پر مان لیا تھا اس نے
خدائی خدمت گاروں اور باچا خان کے ان گلوں شکووں پر کوئی کان نہیں دھرا۔ اس پر خدائی خدمتگاروں
نے ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ ویسے بھی گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ مجریہ ۱۹۳۵ء کی کسی بھی شق میں
ریفرنڈم وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کے علاوہ ایک سال پہلے صوبہ سرحد میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات

پر مسلم لیگ کو واضح شکست دی تھی اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ مذہبی اور جغرافیائی لحاظ سے ہندوستان
کے ساتھ شامل ہونا ناممکنات میں شامل تھا۔ تو پھر پاکستان یا ہندوستان کے سوال پر ریفرنڈم کرانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں
تھی۔ خدائی خدمت گاروں کے بائیکاٹ کے باوجود ریفرنڈم کرایا گیا۔ ۶ جولائی ۱۹۴۷ء کو پولنگ شروع ہوئی
۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو عوام کو نتائج سے آگاہ کیا گیا۔ جیت لازماً پاکستان کی ہی ہوئی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان
کے نام سے مسلمانوں کا ایک نیا ملک معرض وجود میں آگیا۔

۲

پشاور جاتے ہوئے اٹک پار کر کے دائیں ہاتھ پہاڑیوں کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ ان
پہاڑیوں میں سبزہ بہت کم پیدا ہوتا ہے اور یہ بنجر اور سنگلاخ ہیں لیکن ان کا اصل سرمایہ تو وہ زرخیزی
اور شادابی ہے جو صدیوں سے برصغیر ہند و پاک کو جلا بخشتے ہوئے ہے۔ یہ پہاڑیاں اگر ایک طرف ممکن
ہیں ان اولیا اللہ کا جن کی کوشش سے اسلام کی روشنی ہندوستان کے کونے کونے میں پہنچی تو دوسری طرف
یہاں ایسے نامور فرزند پیدا کئے جن کی رزمیہ داستانیں آج بھی شوق سے پڑھی اور سنی جاتی ہیں۔
تحصیل نوشہرہ کے ایک گاؤں بدرشی جو زیارت کاکا صاحبؒ جاتے ہی راستے میں آتا ہے میں میاں
بادل کے گھر ۔۔۔ ۱۸۹۹ء کو ایک فرزند پیدا ہوا۔ عام دستور کے مطابق اولاد نرینہ پر جو خوشی کا اظہار کیا جاتا
ہے روایتی طور پر اس بچے کی پیدائش پر بھی اسی خوشی کا اظہار کیا گیا۔ بچے کا نام اکبر شاہ رکھا گیا۔ کسی کو کیا پتہ تھا
کہ آگے چل کر یہ بچہ نہ صرف اپنے خاندان کا نام روشن کرے گا بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں اپنے لیے ایک عزت
کا مقام بنا کر رہے گا۔ ابتدائی تعلیم نوشہرہ میں حاصل کرنے کے بعد اکبر شاہ کو اسلامیہ کالج پشاور بھیج دیا گیا۔
اس وقت ہندوستان بھر میں سیاسی بیداری کی ایک لہر سی پیدا ہو گئی تھی۔ جنگ عظیم اول ختم ہو چکی تھی اور
ہندوستانی عوام انگلستان کے لئے جنگ میں مدد دینے کے صلے کا انتظار کر رہے تھے لیکن جنگ میں برطانیہ کی
مدد کرنے کا پھل انہیں رولٹ ایکٹ کی شکل میں ملا۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ امرتسر کے
جلیانوالہ باغ میں ایک انگریز جنرل ڈائر نے نہتے عوام پر گولی چلوا دی۔ ہندوستان کی ان خبروں نے

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

اسلامیہ کالج پشاور کے طالب علموں کو ایک عجیب سی حرارت حالت سے دوچار کیا۔ سامنے [illegible] کیفیت پیدا ہوگئی۔ طالب علم جو ویسے بھی معاشرے کے اور افراد کی بہ نسبت زیادہ حساس واقع ہوتے ہیں حالات کی نزاکت کو دیکھ رہے تھے۔ قومی رہنماؤں پر ظلم و تشدد انہیں بالکل نہیں بھایا۔ طالب علموں نے اپنے طور پر اپنے لئے لائحہ عمل تیار کرنے کی کوششیں شروع کردیں۔ خفیہ اجلاس ہوئے کہ کسی طرح انگریز حکمرانوں کو تنگ کیا جائے۔ ان جذباتی نوجوانوں کے ایک گروہ نے فیصلہ کیا کہ قوم و ملک کی آزادی کی خاطر ہمسایہ ملک افغانستان چلنا چاہیئے۔ اور وہاں سے انگریزوں کے خلاف جہاد جاری رکھنا چاہیئے۔ ان لوگوں کے سامنے حاجی صاحب ترنگ زئی کی مثال تھی۔ حاجی صاحب کا اصل نام فضل واحد تھا اور ترنگزئی کے رہنے والے تھے۔ آپ نے انگریزوں کو ستانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس سے پہلے کہ انگریز آپ کو گرفتار کرتے آپ باجوڑ کے علاقہ غیر جا کر رہائش پذیر ہوگئے۔ اور وہاں سے جہاد جاری رکھا۔ انقلابیوں اور نوجوانوں کے لئے حاجی صاحب اور ان کے رفیقوں کی زندگیاں شمع راہ تھیں۔ اسلامیہ کالج کے طالب علموں کے اس گروہ نے آخر کار اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنا ہی دیا۔ اکبر شاہ معہ اپنے ساتھیوں کے کالج چھوڑ کر روانہ ہوئے اور چارسدہ میں عبدالغفار خان (باچا خان) سے ملے۔ باچا خان نے ان لوگوں کے افغانستان جانے کے پروگرام کو حتمی شکل دی۔ سرحد پار کرکے بہ خیر و عافیت یہ کابل پہنچے اور پھر وہاں سے جبل السراج پہنچائے گئے۔ اسی اثنا میں ہندوستان میں عام ہجرت شروع ہوگئی تھی۔

ہندوستان کے عموماً اور صوبہ سرحد کے خصوصاً مسلمان اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے سب کچھ چھوڑ کر پڑوسی مسلمان ملک افغانستان کوچ کر رہے تھے۔ علماء نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ اس قسم کے فتوے دیئے گئے کہ جو لوگ دارالحرب میں رہیں گے۔ ان پر ان کی بیویاں طلاق ہیں۔ مہاجرین کے قیام و طعام کا بندوبست پشاور میں کیا گیا۔ کیونکہ نسبتاً پشاور ہی افغانستان کی سرحد کے قریب ترین بڑا شہر ہے۔ پشتونوں کی روایتی مہمان نوازی ویسے بھی ضرب المثل ہے اب جبکہ لوگ مذہب اور اللہ کی خاطر سب کچھ چھوڑ کر جا رہے تھے تو ان کی خدمت اہلیان پشاور پر فرض تھی۔ ہر ایک نے اپنی بساط سے بڑھ کر آنے والے مہمانوں کی خدمت کی۔ پشاور میں ہجرت کمیٹیاں بنائی گئیں جن کا کام مہاجرین کے قیام و طعام [illegible]

[illegible] اور گرد کے [illegible] کر اصلاحی کاموں میں حصہ لیا۔ اور گرد کے بندوبست کو بہتر بنانا [illegible] دیہات کے دورے بھی کئے گئے اور مہاجرین کے لئے مویشی اور خورد و نوش کا سامان اکٹھا کیا گیا۔ غرض ایک جوش اور جذبے کے تحت اہلیان پشاور مہاجر بھائیوں کی امداد کر رہے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں سندھ سے بیرسٹر جان محمد جونیجو کی کمان میں مہاجرین کا ایک قافلہ بذریعہ ریل گاڑی پشاور پہنچا۔ اب تو لوگوں کا جوش و خروش انتہا کو پہنچ چکا تھا لیکن ایک عجیب بات یہ دیکھنے میں آئی کہ ہندوستان کو جن لوگوں نے دارالحرب قرار دیا تھا ان میں سے کسی کو دارالسلام جانے کی توفیق نہیں ہوئی۔ پشاور سے قافلے کے قافلے افغانستان کی طرف رواں دواں تھے۔

ان قافلوں کی افغانستان میں بہت آؤ بھگت کی گئی۔ ان کو سرکاری خزانے سے راشن اور پیسے دیئے گئے۔ امان اللہ خان کی خواہش تھی کہ تعلیم یافتہ افراد کو ملازمتیں دیں اور بقیہ مہاجرین کو افغانستان کے طول و عرض میں کھیتی باڑی کے لئے زرعی زمینیں دیں۔ لیکن مہاجرین کے ہمراہ ایک بڑی تعداد انگریزوں کے جاسوسوں کی تھی۔ انہوں نے اب اپنا کام دکھانا شروع کیا۔ ہر طرف حکومت افغانستان پر اعتراضات ہونے لگے۔ ہر کوئی یہ باتیں کرنے لگا کہ یہاں ہم عیش و آرام کی زندگی بسر کرنے تو نہیں آئے بلکہ ہم تو انگریزوں کے خلاف لڑنے کے لئے آئے ہیں۔ شاہ افغانستان کو انگریزوں کے خلاف اعلان جنگ کردینا چاہیئے۔ لیکن افغانستان تھوڑا عرصہ قبل ہی انگریزوں سے جنگ لڑ چکا تھا۔ اور اب اس کے لئے یہ ناممکن تھا کہ دوبارہ انگریزوں سے لڑائی لڑتا۔ جبل السراج کیمپ کے مکین پہلے تو عیش و عشرت میں پڑے ہوئے زندگی کے مزے لوٹتے رہے تھے لیکن جلد ہی ان کو بھی احساس ہوگیا کہ یہاں ہم زندگی کے مزے لینے تو نہیں آئے۔ وہ مگر زیادہ دیر تک خاموش نہیں رہ سکے۔ ان میں بھی کھسر پھسر شروع ہوگئی۔ اتنے میں انگریزوں اور افغانستان کے درمیان صلح ہوگئی۔ یہ خبر جبل السراج کے مہاجرین پر بجلی بن کے گری۔ ان کے لئے بقول ان کے اب ہندوستان اور افغانستان میں کوئی فرق نہیں رہا تھا۔ آئندہ لائحہ عمل کے لئے صلاح مشورے ہونے لگے۔ کچھ مہاجرین کی یہ رائے تھی کہ علاقہ غیر جا کر وہاں سے مجاہدین حمر کنڈ کی طرح انگریزوں کے خلاف جنگ جاری رکھنا چاہیئے کچھ لوگوں نے رائے دی کہ افغانستان سے ہجرت کرکے ترکی چلنا چاہیئے کیونکہ وہاں ترکوں کو اس وقت

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

مدد کی ضرورت ہے اور ویسے بھی یہ لوگ گھروں سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کے لئے نکلے ہیں۔ بے نیل مرام واپس جا کر لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار نہیں ہونا چاہئے۔

اکبر شاہ مع اپنے ساتھیوں کے چار و ناچار افغانستان سے نکل پڑا۔ افغانستان کے اندر اور افغانستان سے باہر ان پر جو تکالیف بیتی ہیں ان کی تفصیلات تو کتاب کا موضوع ہے اور یہاں بیان کرنا مناسب نہیں۔ راستے میں ترکمانوں کے چنگل میں پھنس گئے۔ موت کی سختیاں مہاجرین نے ترکمانوں کی قید میں جھیلیں۔ ان سے رہائی پا کر وہ روس کی بالشویکی حکومت کے مہمان بنے۔ ان کی قدر و منزلت کی گئی لیکن جب آگے چل کر اس مسئلے پر کہ ان کو بالشویکوں کی ترکمانوں کے خلاف امداد کرنی چاہیئے یا نہیں ان میں اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے۔ آدھے تو اناطولیہ کی طرف کوچ کر جاتے ہیں اور باقی آدھے جن میں اکبر شاہ بھی شامل ہیں وہیں روس میں ٹھہر جاتے ہیں۔ تاشقند کے ہوائی مدرسے میں ان کو داخلہ دے دیا جاتا ہے کیونکہ ایم این رائے (مہندرا ناتھ رائے) کے مطابق ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان کو بہت اہم کردار ادا کرنا ہوگا۔ ابھی ان کی تربیت پوری نہ ہو پائی تھی کہ بدقسمتی ان کا پیچھا کرتی وہاں بھی آ پہنچی۔ انگریز اور روس کے درمیان صلح ہو گئی۔ تاشقند کا ہوائی مدرسہ بند کر دیا گیا۔ وہاں سے ان کو ماسکو لایا گیا۔ وہاں کچھ عرصہ رہ کر ان کو واپس وطن بھیجا جاتا ہے۔ میاں صاحب کا واپسی کا سفر واقعات و حوادث سے بھرپور ہے۔ اکبر شاہ میاں صاحب نے جس تفصیل کے ساتھ اور مزے لے لے کر وہ تکالیف جو ان پر بیتیں بیان کی ہیں تو عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے ان قربانیوں کو دیکھ کر جو آزادی کے ان پروانوں نے آزادی کے لئے دیں۔ واپسی کا سفر اکبر شاہ ایران کے راستے کرتے ہیں۔ اس وقت کے ایران کے متعلق تفصیلی ذکر میاں صاحب نے بہت دلکش پیرائے میں بیان کیا ہے۔ ایران میں اس وقت کے تغیرات اور تبدیلیاں جو آنے والی تھیں ان کے متعلق بھی میاں صاحب نے بہترین تجزیہ کیا ہے۔ ایران سے کراچی کے راستے ہندوستان میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں سے لاہور آتے ہیں۔ لاہور میں انہوں نے چند روز قیام کیا۔ لاہور ٹھہرنے کا مقصد یہی تھا کہ گاؤں اور علاقے کے واقعات سے آشنا ہو سکیں۔ بابو سلطان محمد اس وقت کے ایک انقلابی ان سے ملاقات کے لئے لاہور آتے ہیں اور ان سے ساری تفصیلات

اپنے گاؤں کی حالت سن کر اپنے ہیں ان کی کوشش یہی کہ جلد سے گھر نہ جا سکیں اس لئے زیارت کاکا صاحب چلے جاتے ہیں اور وہاں کچھ عرصہ رہتے ہیں۔ ان کو سرحد کے دیہات میں متعارف کرانے کا سہرا بھی ایک مشہور انقلابی جن کے سرکار نگرس کو سرحد کے دیہات میں متعارف کرانے کا سہرا ہے اور جا کر وہاں ایک مشہور انقلابی جن کو ان کی قربانیوں کے پیش نظر قوم نے "فخر قوم" کا خطاب پایا تھا کے ہاں ٹھہرے اصلی نام تو عبدالحکیم تھا لیکن اپنی قربانیوں کے پیش نظر قوم نے "فخر قوم" کا خطاب دیا تھا کے ہاں ٹھہرے۔ وہاں سے گاؤں خبر بھیجی گئی اور خبر لے جانے والے سے رازداری برتنے کو کہا گیا۔ لیکن بجائے رازداری کے خبر پہنچتے ہی میاں اکبر شاہ کی وطن واپسی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق میاں باز گل کے بیٹے کے زندہ سلامت واپس لوٹنے پر مبارکباد دینے کے لئے آ رہے تھے۔ انہی آنے والوں میں ایک ایسا شخص بھی شامل تھا جو میاں صاحب کو پشاور لانے کی ذمہ داری لے کر آیا تھا۔ پشاور پہنچنے پر اکبر شاہ اور اس کے آٹھ ساتھیوں کو حکومت ہندوستان برطانیہ کے خلاف سازش کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ ان سب پر پشاور سازش کیس Peshawar Conspiracy Case کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔ ان سب کو مختلف قسم کی سزائیں سنا دی گئیں۔ انگریز حکمران دراصل ان سب اشخاص کو جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح بالشویک روس سے رہا تھا ہندوستان میں آزاد نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ وہ لوگ ان کو اپنے لئے خطرہ جانتے تھے۔ کسے معلوم تھا کہ قید کے دوران ہی میاں صاحب کو موقع مل جائے گا کہ وہ اپنی داستان یا دوسرے الفاظ میں سفرنامہ مکمل کریں گے۔ کسی نہ کسی طرح جیل کے اندر انہوں نے کاغذ پنسل پیدا کر لیا۔ الفاظ کو لکھنے میں میاں صاحب کو کمال حاصل تھا اور بڑی بات یہ بھی تھی کہ میاں صاحب کا حافظہ بالکل ٹھیک کام دے رہا تھا۔ واقعات کی کڑیاں ملاتے گئے۔ جگہوں اور لوگوں کے نام بالکل یاد تھے۔ اس لئے لکھنے میں اور آسانی پیدا ہو گئی۔ رہائی ملنے پر انہوں نے وہی مسودہ صاف اور واضح الفاظ میں لکھا۔ جو کچھ عرصہ بعد انہوں نے پشتو ہی میں چھپوایا۔

جیل سے رہا ہونے پر میاں صاحب نے پھر پڑھائی شروع کی۔ انہوں نے ۱۹۳۰ء میں وکالت کا امتحان علی گڑھ سے پاس کیا۔ وطن آنے پر پشاور کے نامور وکیل سردار اورنگ زیب (جو بعد میں مسلم لیگ کی طرف سے صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے) کے ساتھ وکالت شروع کی۔ میاں صاحب جیسا سیاسی شعور رکھنے والا آدمی کہاں گمنامی کی زندگی بسر کر سکتا تھا۔ انہوں نے صوبے کے سیاسی افق پر اپنا کردار ادا

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

کرنا شروع کیا۔ اور گرد و نظر دوڑانے پر باچاخان کی زیر قیادت شروع ہونے والی [illegible] میں شریک
ہونے کا فیصلہ کیا۔ اپنی سیاسی سوجھ بوجھ اور قابلیت کی بنا پر صوبائی ورکنگ کمیٹی (مجلس عاملہ) کے رکن بن
گئے۔ انہی دنوں ہندوستان کے کانگریسی رہنماؤں میں دو دھڑے بن گئے۔ دایاں اور بایاں بازو کھل کر ایک
دوسرے کے سامنے آگئے۔ مہاتما گاندھی دائیں بازو کے سرکردہ رہنما تھے جبکہ بایاں بازو سبھاش چندر
بوس کی زیر قیادت کام کر رہا تھا۔ کانگریس کے ہر ایک اجلاس میں اختلافات پیدا ہوتے گئے اور یہ
اختلافات اس حد تک بڑھ گئے کہ سبھاش بابو نے کانگریس کے اندر رہتے ہوئے اپنے ہم خیال کانگریسیوں کے
ساتھ ملا کر آل انڈیا فارورڈ بلاک کی بنیاد رکھی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ فارورڈ بلاک کوئی علیحدہ
جماعت نہیں تھی بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو فارورڈ بلاک آف دی آل انڈیا نیشنل کانگریس ہی کہلاتی رہی۔ سبھاش
بابو نے اس سلسلے میں سارے ہندوستان کا دورہ کیا۔ وہ پشاور بھی تشریف لائے اور یہاں فارورڈ بلاک
کی تنظیم کی۔ میاں اکبر شاہ جو خدائی خدمتگار تحریک میں رہتے ہوئے ہمیشہ کھری بات کہنے والے اور
غریب کا ساتھ دینے والے تھے جنرل سیکرٹری چنے گئے۔ ان کے علاوہ اور قابل ذکر ممبران میں علامہ
محمد خان لوندخوڑ، عبدالرؤف خان اور احمد خان شامل تھے۔ میاں اکبر شاہ کو ساتھ ہی آل انڈیا فارورڈ
بلاک کی مرکزی کمیٹی کا ممبر بھی چنا گیا۔ آپ فارورڈ بلاک کے تقریباً تمام اہم اجلاسوں میں شریک ہوئے۔ اس
طرح آپ کا رابطہ ہندوستان کے چوٹی کے رہنماؤں کے ساتھ قائم ہوگیا۔

جلد ہی ایبٹ آباد میں منعقدہ ورکنگ کمیٹی کے اجلاس کے دوران باچاخان اور فارورڈ بلاکیوں کے
درمیان اختلافات کھل کر سامنے آئے۔ باچاخان نے ان کو کہا کہ وطن کو آزاد کرانا دونوں کا مقصد ہے لیکن پارٹی
پروگرام میں آپ کے اور ہمارے درمیان فرق ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ لوگ اور ہم علیحدہ ہو جائیں۔ ہم آپ کو دعائیں
دیں گے۔ آپ ہمیں دعائیں دیجئے۔ باچاخان کی متاثر کن شخصیت کے آگے کچھ بولنا ناممکن تھا۔ ہر چند اکبر شاہ
نے دلائل دینا چاہے لیکن فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر کار رائے اس پر ٹھہری کہ گاندھی جی جو اس وقت صوبے کے
دورے پر آئے ہوئے تھے اور ایبٹ آباد میں ہی مقیم تھے کے پاس جا کر فیصلہ کرانا چاہیے۔ اراکین ورکنگ
کمیٹی تمام کے تمام گاندھی جی کے پاس گئے اور [illegible] گاندھی جی نے جواب میں [illegible]

شامل دی اور [illegible] اسلام [illegible] سب کا الگ الگ فرقہ ہے۔ اسی طرح
ہم سب کا نصب العین بھی ہندوستان کو آزاد کرانا ہے۔ چاہے کوئی کسی مذہب، فرقہ، رنگ یا نسل سے تعلق
رکھتا ہو لیکن ہمارے ساتھ ہمارے نصب العین میں شامل ہونے کے لئے کانگریس کا ترنگا اپناتا ہے تو وہ کانگریسی
ہے اسی طرح صوبائی فارورڈ بلاک والے کانگریس میں ہی رہ گئے۔

میاں صاحب نے باچاخان کے ساتھ مل کر صوبے کے دور دراز علاقوں کا دورہ کیا۔ پشتونخوا
کے دشوار گزار راستوں میں سنگلاخ چٹانوں پر راستہ بناتے ہوئے یہ لوگ پشتون قوم کو انگریز کی غلامی
سے نجات دلانے کے لئے چلتے رہے۔ لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کرنا اور ان کے آپس کے جھگڑوں کو
مٹانا ان کا مقصد اولین تھا۔ جس میں وہ بڑی حد تک کامیاب رہے۔ میاں صاحب کا کہنا ہے کہ صوبے کا
کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جہاں باچاخان نہ گئے ہوں۔ تاریخ میں ایسی مثال دوسری نہیں ملتی جیسے کہ باچاخان
کی ہے اور انہوں نے جو خدمات اپنی پشتون قوم کے لئے سرانجام دیں ان سے روگردانی کوئی قوم اور ملت
فراموش ہی کر سکے گا۔ اپنے چند اختلافات کے باوجود میاں صاحب نے ساری زندگی قومی خدمات باچاخان کی
رفاقت میں سرانجام دی ہیں اور انہیں باچاخان کے ساتھ طویل سیاسی زندگی گزارنے میں بھی جو خوشی اور
مسرت ملی ہے وہ اور کسی طریقے سے نہیں مل سکتی تھی۔ انہیں اس بات پر فخر ہے کہ انہوں نے باچاخان
کی رفاقت میں [illegible] تمام تن دہی سے انجام دیا۔ کانگریس وزارت کے دوران میاں صاحب کو پشاور کا [illegible]
بنایا گیا۔ انہوں نے [illegible] لوگوں کی خدمت کی۔ ۱۹۳۸ء میں دو ایسی تحریکیں کانگریس حکومت کے خلاف
چلیں کہ صوبائی حکومت سارے ہندوستان میں بدنام ہوگئی۔ یہ تحریکیں مفتی آباد، چارسدہ اور
لوند خوڑ مردان کی کسان تحریکیں تھیں۔ مفتی آباد تحصیل چارسدہ کے ایک گاؤں میں کاشتکاروں
اور مالکان اراضی کے درمیان کچھ جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا۔ مالکان نے ان کے خلاف بے دخلی کا
مقدمہ دائر کیا جو کہ انہوں نے جیت لیا۔ کاشتکاروں نے قبضہ دینے سے انکار کر دیا۔ مالکان نے حکومت
سے مدد کی درخواست کی۔ پولیس نے دھڑپکڑیاں شروع کیں۔ ڈاکٹر خان صاحب وزیر اعلیٰ سرحد کے بیٹے
عبداللہ خان نے کاشتکاروں کا ساتھ دیا۔ ڈاکٹر خان صاحب کے کہنے پر پولیس نے انہیں بھی گرفتار کیا۔

itsurdu.blogspot.com
tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

ساتھ ہی اور بھی بے شمار لوگ گرفتار کئے گئے جن میں [illegible] بھی شامل تھے۔ اس تحریک کی ابتداء ضلع مردان کے غلہ ڈھیر نامی گاؤں میں بھی مالکان اراضی اور کاشت کاروں کے درمیان جھگڑا کھڑا ہوا۔ بنیادی وجہ وہی مزارع اور مالک کی پرانی ان بن تھی۔ علاقے کے خوانین نے جو زمینوں کے مالک تھے بے دخلیوں کا سلسلہ شروع کیا جس کی سخت مزاحمت کی گئی۔ ان کاشت کاروں کو منظم کرنے میں میاں اکبر شاہ، بھگت رام، وارث خان اور میاں محمد شاہ کا بڑا ہاتھ تھا۔ انہوں نے ان کو ان کا حق لینے کا درس سکھایا اور ان میں ہمت پیدا کی کہ کیسے خوانین اور نوابوں کے مقابلے میں کھڑا ہونا چاہیے۔ کانگریسی حکومت نے ان سب کو گرفتار کیا۔ اس پر تمام ہندوستان میں بہت شور برپا ہو گیا۔ وہی کانگریسی حکومت جن کی کامیابی کے لئے ان لوگوں نے اپنے اوپر دن کا چین اور راتوں کی نیندیں حرام کر رکھی تھیں انہیں لوگوں پر ہی چند نوابوں کی خاطر ظلم و تشدد کر رہی تھی۔ یہ معاملہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی میں بھی پیش ہوا۔ ہندوستان کے چند مشہور سوشلسٹ رہنماؤں پر مشتمل ایک وفد معاملات کی چھان بین کے لئے صوبے بھیجا گیا۔ وفد نے کانگریسی حکومت اور غلہ ڈھیر تحریک کے متاثرین کے درمیان صلح کروائی۔ میاں صاحب اور ان کے رفقاء کو بھی جیل سے رہائی ملی۔

ستمبر ۱۹۳۹ء میں یورپ میں جنگ عظیم دوئم شروع ہو گئی۔ ہندوستان کی مرضی پوچھے بغیر مملکت برطانیہ نے اس کو بھی جنگ میں دھکیل دیا۔ اس پر بطور احتجاج کانگریسی وزارتوں نے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت بھی مستعفی ہو گئی۔ کانگریس ہائی کمان میں وہی پرانا جھگڑا ایک بار پھر کھڑا ہوا۔ ۱۹۳۹ء کے باونویں اجلاس کی صدارت کے لئے تین نام چنے گئے۔ ان میں سبھاش بوس، ڈاکٹر پٹابی ستیارامیہ اور مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔ مولانا آزاد نے بیماری کے باعث انکار کیا۔ ہائی کمان نے ستیارامیہ کی حمایت کر دی۔ لیکن سوشلسٹ ارکان کی حمایت سے سبھاش بابو نے دستبردار ہونے سے انکار کیا۔ کانگریس کے دائیں بازو کے نامور اراکین نے گاندھی جی کو سبھاش بابو کے خلاف لا کھڑا کیا۔ گاندھی جی کے خیالات کو دیکھتے ہوئے کانگریس ورکنگ کمیٹی کے چھ اراکین سردار پٹیل، آچاریہ کرپلانی، بھولا بھائی ڈیسائی، شنکر راؤ دیو، بابو راجندر پرشاد اور مسٹر جے رام داس دولت رام نے بھی ڈاکٹر ستیارامیہ کی حمایت کی اور سبھاش

بوس سے بھی جو سبھاش بابو اصولی موقف پر کھڑے رہے انتخاب [illegible] کی اپیل کی [illegible] جس کا نتیجہ سبھاش بابو کی کامیابی کی صورت میں نکلا۔ گاندھی جی نے اس شکست کو اپنی شکست تصور کیا اس کے بعد کانگریس ورکنگ کمیٹی کے بارہ اراکین نے مشترکہ طور پر ورکنگ کمیٹی کی ممبری سے استعفیٰ دیا۔ سبھاش بابو نے کانگریس کو منتشر ہونے سے بچانے کے لئے صدارت سے مستعفی ہونے کا فیصلہ کیا۔

ایک طرف تو سبھاش بابو داخلی امور میں پھنسے ہوئے تھے دوسری طرف جنگ عظیم کے دنوں کو ہندوستان کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ جانتے ہوئے انہوں نے انگریزوں کے ناپاک قدم ہندوستان سے نکالنے کی کوششیں شروع کر دیں۔ ان کے خیال میں ایسا موقعہ پھر ہندوستان کو نہیں ملنے والا تھا۔ اس لئے ان کے بقول سول نافرمانی کی تحریک کو پورے زور و شور سے شروع کر دینا چاہیے تھا لیکن گاندھی جی جو تشدد کے ساری عمر خلاف رہے نے اس موقعہ پر بھی سبھاش بوس کا ساتھ نہیں دیا۔ کانگریس ہائی کمان کی طرف سے ناامید ہو کر سبھاش بوس نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے طور سے کوشش میں مصروف رہے کیونکہ ان کے خیال میں ایسا نادر موقعہ پھر ہاتھ نہ آتا۔ وہ اس جنگ سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ قریبی ساتھیوں سے صلاح مشورہ کے بعد یہ طے پایا کہ جس قیمت پر بھی ہو ہندوستان سے نکل جانا چاہیے اور اس افراتفری کی حالت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اس سلسلے میں ان کی نظر میاں اکبر شاہ پر پڑی۔ انہوں نے میاں صاحب کو مشورے کے لئے کلکتہ طلب کیا۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں میاں صاحب کلکتے گئے جہاں یہ فیصلہ ہوا کہ میاں صاحب کسی نہ کسی طریقے سے سبھاش بابو کو کابل پہنچائیں جہاں سے پھر وہ روسی سفارت خانے کی مدد سے روس جائیں گے اور وہاں سے انگریزوں سے رہائی پانے کے طریقوں پر عمل کیا جائے گا۔ میاں اکبر شاہ پشاور واپس آئے اور اپنے رفقاء خاص میاں محمد شاہ اور بھگت رام کے ساتھ صلاح مشورے کئے۔ آخر کار یہ طے پایا گیا کہ بھگت رام سبھاش بابو کو کابل پہنچائے گا۔ چیرہ بائی کے عباد خان نے سبھاش بابو کو ٹرک میں سرحد پار کرانے کی حامی بھری۔ ان سب کو معاملے کی سنگینی کا پورا پورا احساس تھا کیونکہ ایسے حساس وقت میں سبھاش بابو کو ہندوستان سے لے جانا جان جوکھوں کا کام تھا لیکن یہ انقلابی تھے اور انقلابیوں کی ساری زندگی ہی اسی طرح گزرتی ہے۔ سبھاش بابو کا بھیس بدل کر پشاور آنا بھی [illegible] ہندوستان سے [illegible] نے دی گریٹ ایسکیپ The Great Escape

tsurdu.blogspot.com

نامی کتاب میں پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ سبھاش بابو نے اپنا حلیہ
ایک مسلمان کا بھیس بدلا تھا۔ شیروانی پہنے ہوئے سر پر فیض (ٹوپی) رکھے ہوئے جب وہ پشاور کینٹ ریلوے اسٹیشن پر اترے تو یقیناً کسی برگزیدہ پیر سے کم کسی طرح بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ میاں صاحب ان کو لے کر ڈینز ہوٹل گئے لیکن راستے میں تانگے بان نے کہا کہ مسلمان ہو کر پیر صاحب کو کیوں کافروں کے ہوٹل لے جاتے ہو۔ تانگہ بان ان کو لے کر تاج محل ہوٹل آ گیا۔ تاج محل ہوٹل سے یہ لوگ عباد خان کے گھر آ گئے۔ عباد خان کے گھر سے سبھاش بابو کو گبوری کے راستے جلال آباد اور پھر کابل لے جایا گیا۔ کابل میں ان لوگوں پر کیا بیتی اور کیسے مشکل حالات میں انہوں نے دن گزارے اور پھر ایمبیسیوں سے رابطہ قائم کیا۔ ان تفاصیل کے جاننے کے لیے بھگت رام تلوار کی لکھی ہوئی کتاب

The Talwars of Pathan Land and
subhas Chandra's Great Escape

ایک بہترین ذریعہ ہیں۔ اس کے بعد سبھاش بابو کابل سے برلن جا پہنچتے ہیں اور وہاں سے پھر آزاد ہند کے قیام کا اعلان کرتے ہیں۔ یہاں وہ تفصیلات بیان کرنے کا موقع نہیں لیکن یہ کافی ہے کہ ان سب کاموں کا سہرا میاں اکبر شاہ کے اور ان کے خاص رفقاء کے سر ہے۔ ان لوگوں پر بھروسا اور اعتماد کر کے ہی سبھاش بوس ہندوستان سے نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ اگر سبھاش بابو اپنی تحریک میں کامیاب ہو جاتے تو آج ہندوستان کی تاریخ کچھ اور ہوتی اور اس میں یقیناً میاں صاحب اور بھگت رام کے نام سنہرے حروف سے لکھے جاتے۔ ہندوستان تو بعد میں آزاد ہوا لیکن سبھاش بابو اس سے پہلے ہی دیارِ غیر میں وطنِ عزیز کی آزادی کے لیے قربان ہو چکے تھے۔ اس لیے ان کے ساتھ ہی ان کے رفقاء کی قربانیوں کے متعلق تفصیلات بھی ایسے منظرِ عام پر نہیں آئیں جس طرح کہ ان کا حق بنتا ہے۔

سبھاش بابو کے ہندوستان سے نکلنے پر سارا نزلہ حکومت کا میاں صاحب پر گرا۔ ان کو معہ اپنے ساتھیوں کے گرفتار کر کے دیولی کیمپ بھیجا گیا جو کہ راجپوتانے میں واقع تھا۔ دور دور تک کیکروں کا جنگل پھیلا ہوا تھا اور ملاقاتیوں کو بھی ان سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ آخر کار گاندھی جی نے دیولی کیمپ کے قیدیوں کے حق میں بھوک ہڑتال کر دی اور ان لوگوں کو دیولی کیمپ سے دوسری جیلوں میں منتقل کر دیا گیا۔ میاں صاحب کو گجرات اور جیل بھیج دیا گیا۔ پشاور جیل آنے پر میاں صاحب کی ملاقات اپنے پرانے رفیقوں خدائی خدمتگاروں سے ہوئی۔ جن کو سول نافرمانی کے جرم میں قید کیا گیا تھا۔ صوبہ سرحد کے اس وقت کے وزیر اعلیٰ سردار اورنگ زیب خان تھے جن کے ساتھ میاں صاحب نے کافی عرصہ وکالت کی تھی ان کو جب پتہ چلا کہ میاں صاحب اتنے لمبے عرصے سے جیل میں ہیں تو انہوں نے اپنا ذاتی اثر و رسوخ استعمال کر کے میاں صاحب کو رہائی دلوائی۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بنا اور میاں صاحب کے بقول آزادی کی تلاش ختم ہوئی۔ پاکستان بننے کے بعد میاں جعفر شاہ جو کہ میاں اکبر شاہ کے دیرینہ رفیق تھے کے کہنے پر اکبر شاہ میاں نے قیوم خان کا ساتھ دیا۔ ۱۹۵۱ء میں وہ اسمبلی کے ممبر بنے۔

کانگرس چونکہ پاکستان میں غیر قانونی جماعت قرار پائی جا چکی تھی۔ اس لئے اکبر شاہ کے دیرینہ رفقاء کی بھی خواہش تھی کہ میاں صاحب تحصیل نوشہرہ سے نوشہرہ ہی کے ایک تاج محمد خان نامی شخص کے خلاف الیکشن لڑیں۔ انہیں قیوم خان کی طرف سے کھڑا کیا گیا۔ مزید برآں ان کے حلقہ انتخاب میں اکثریت ان دیہات کی تھی جو دو سو سال سے زیادہ عرصے سے وہاں رہ رہے تھے لیکن اراضی دہ کے مالک نہیں تھے۔ قیوم خان کا خیال تھا کہ ایسے علاقوں میں زمینوں کی ملکیت تبدیل کی جائے۔ اس لئے یہاں اکبر شاہ کو کھڑا کیا گیا اور میاں صاحب بھاری اکثریت سے کامیاب ہو کر اسمبلی کے ممبر بنے۔ انہوں نے وکالت جاری رکھی اور ۱۹۷۰ء تک اس پیشے سے منسلک رہے۔ آج کل صحت اجازت نہیں دیتی کیونکہ کانوں سے ذرا اونچا سننے لگے ہیں ورنہ دل اور امنگیں اب بھی اسی طرح جوان ہیں اور علاقے اور قوم کی خاطر سیاست کے میدان میں آنے کے لئے اب بھی بیتاب ہیں۔

جہاں تک ذاتی زندگی کا تعلق ہے ایک بڑا بھائی میاں جناح الدین تھا۔ بہن کوئی نہیں تھی۔ ۱۹۴۴ء میں شادی کی جس سے دو بیٹے اور پانچ بیٹیاں ہوئیں۔ بڑا لڑکا جعفر شاہ انگلستان میں ڈاکٹری کر رہا ہے جبکہ چھوٹا لڑکا مصطفیٰ کمال گاؤں ہی میں میاں صاحب کا ہاتھ بٹا رہا ہے۔

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com

عام طور سے یہی دستور ہے کہ کسی کتاب کا پیش لفظ لکھنے والا مصنف کی کتاب سے چند اہم واقعات منتخب کر کے پھر اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ لیکن بہت دفعہ کتاب پڑھنے کے بعد بھی میں چند پیرے منتخب کرنے میں ناکام رہا۔ کیونکہ میاں صاحب کا انداز بیان اتنا دلکش اور معلومات سے پر ہے کہ ان میں سے چند صفحے یا اقتباسات لینا میرے لئے ناممکن ہو گیا۔ اس لئے عام روش سے ذرا ہٹ کر پڑھنے والوں کو یہ حق دیتا ہوں کہ وہ کتاب پڑھ کر اپنی اپنی رائے کا خود ہی اظہار کریں۔

سید وقار علی شاہ کاکاخیل

اسلام آباد

۵ مئی ۱۹۸۸

tsurdu.blogspot.com

tsurdu.blogspot.com